وہابی افکار کا رد

(تیرہ موضوعات پر مشتمل مستند کتاب)

مؤلف: [illegible]
مترجم: [illegible]

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

وہابی افکار کا ردّ
(تیرہ موضوعات پر مشتمل مستند کتاب)

مؤلف: شیخ نجم الدین طبسی
مترجم :ناظم حسین اکبر

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

مشخصات کتاب

نام کتاب .... وہابی افکار کا ردّ

نام مؤلف .... الشیخ نجم الدین طبسی

نام مترجم .... ناظم حسین اکبر

نظر ثانی .... محمد عباس ہاشمی

تعداد صفحات 197

تعداد 3000

اشاعت .... اوّل ،نومبر 2009ئ

کمپوزنگ .... محمد اسماعیل

ناشر .... ابو طالب اسلامک انسٹیٹیوٹ لاہور

انتساب

ظالم وہابیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے پاراچنار کے بے گناہ مومنین خاص طور پر شہید لائق حسین کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

موضوعات

توسّل

شفاعت

تبرّک

استغاثہ

زیارت قبور

عورت اور زیارت قبور

قبروں پر دعا اور نماز

تعمیر قبور

قبور پر چراغ روشن کرنا

نذر

غیر اللہ کی قسم

جشن منانا

گریہ و مجالس عزا

مقدمہ مترجم

وہابیت مسلمانوں کے سینے پر ایسا ناسور ہے جس کی بدبو سے پورا عالم اسلام سسک رہا ہے ابتداء ہی سے اس فرقہ کا وجود مسلمانوں کے لیے ایک عظیم مصیبت ہے جس کی پشت پناہی سعودی خاندان کررہا ہے. ظلم یہ کہ حج جیسی عظیم عبادت کے موقع پر کروڑوں ڈالر خرچ کر کے زائرین خانہ خدا کے عقیدوں کو خراب کیا جاتا ہے. لیکن افسوس یہ ہے کہ اکثر مسلمان جہالت و نادانی کی وجہ سے اس گروہ کے عزائم اور نقصانات سے بے توجہی برت رہے ہیں.

زیر نظر کتاب ,, وہابی افکار کی ردّ،، ایک جلیل القدر عالم دین جناب شیخ نجم الدین طبسی دام ظلّہ العالی کی محققانہ تالیف ہے جس میں انہوں نے وہابیت کے انحرافی عقائد کو محکم ادلّہ کے ذریعہ سے ردّ کیا ہے.

ہم تمام مسلمانوں سے یہ التماس کرتے ہیںکہ وہ اس فرقہ کے عقائدکا بخوبی مطالعہ کریں اور نا سمجھ و فریب خوردہ افراد کو آگاہ کریں نیز ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے اہل سنت اور شیعہ کے عظیم علماء کی شہادتوں کا دقت کے ساتھ مطالعہ کریں تاکہ خود اور اپنی نوجوان نسل کو اس فکری بیماری سے محفوظ رکھ سکیں.

آخر میں دعا گو ہوں کہ خدا وند متعال ہمیں حقیقی معارف اسلام کی صحیح تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا ربّ العالمین

والسلام علی من اتبّع الھدی

ناظم حسین اکبر (ریسرچ اسکالر)

ابو طالب اسلامک انسٹیٹیوٹ لاہور15رمضان المبارک 1430ھ

مقدّمہ مؤلف

خداوند متعال کی بے شمار حمد وثناء اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان گرامی پر بے نہایت درود و سلام ہو جو انسانوں کو چشمہ فضیلت کی طرف ہدایت وراہنمائی کرنے والے ہیں.

دین مبین اسلام کے نورانی معارف اب بھی آسمان فکرپرروشن ہیںّانکی نورانیت ایسی ہے کہ پورے عالم پر چھا جائے گی. البتہ حج کے موقع پر ان معارف کا جلوہ الگ طریقہ سے ہوتا ہے جو قابل مشاہدہ ہے ایک گروہ الگ تفکر کے ذریعہ سے ان معارف کے حقیقی چہرے کو بدلنے کی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے۔

اسی سال 2008ئ میں جب حج جیسے نورانی سفر کی توفیق نصیب ہوئی تو اس معنوی سفر میں ایک عجیب اور انتہائی دلچسپ واقعہ پیش آیا جسے اس مقدمہ سے پہلے بیان کر رہا ہوں :

ایک رات ہم چار افراد جس میں علمائے اہل سنت بھی موجود تھے مکہ مکرمہ کے ایک وہابی عالم سے ملاقات کے لیے اس کے پاس پہنچے اگرچہ کوشش یہی رہی کہ دوستانہ فضا برقرار رہے اور اس دو گھنٹے کی ملاقات میں ایسے ہی ہوا لیکن جیسے ہی بحث و گفتگو کی نوبت آئی تو اس اسّی سالہ وہابی عالم نے شیعوں پر لگائی جانے والی بے بنیاد تہمتوں کو بیان کیا اور خود اس کے بقول ان کا واضح و مستدل جواب لینے کے بعد جو اس کے لیے بھی تعجب آور اور جالب تھا کہنے لگا : کیا تم ایرانی شیعہ اب بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے استغاثہ (طلب حاجت) کرتے ہو اور کہتے ہو : یا رسول اللہ !

میں نے فورا جواب دیتے ہوئے کہا: صرف ہم ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاجت طلب نہیں کرتے بلکہ صحابہ کرام بھی آنحضرت ﷺ سے حاجت طلب کیا کرتے اوریونہی کہا کرتے تھے.

کہنے لگے: ہاں، مگر وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ان سے حاجت طلب کیا کرتے تھے.

میں نے کہا: نہیں، وہ تو آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد بھی یوں ہی کہا کرتے.

اس نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا: ایسی کوئی بات نہیں ہے! کس دلیل کی بنا پر آپ ایسی بات کی نسبت صحابہ کی طرف دے رہے ہیں؟

میں نے کہا: ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں اہل ردّہ کے ساتھ جنگ میں لشکر اسلام کا شعار یا محمد اہ تھا.

کہنے لگے: یہ بات ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت ہے تو دلیل لائیں؟

میں نے کہا: ابن کثیر جو ابن تیمیہ کے شاگرد تھے انہوں نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں اس مطلب کو نقل کیا ہے. کہنے لگے: وہاں پر تو کوئی ایسا مطلب نقل نہیں ہوا.

میں نے کہا: کتاب البدایہ والنہایہ منگوائیں. جب کتاب لائی گئی تو میں اس کی چھٹی جلد کھول کر یہ عبارت پڑھنا شروع کی جس میں یہ لکھا تھا:

وکان شعارهم یومئذ یا مُحَمَّداه ![1]اس دن ان کا شعار یا محمداہ تھا.

1۔ البدایہ والنہایہ 6: 329، دارالکتب العلمیہ بیروت.

جیسے اس وہابی عالم نے اس حقیقت کو دیکھا تو فورا بات بدلتے ہوئے کہا: اس روایت کی سند ضعیف ہے

میں نے کہا: یہ شرک کی تہمت کے علاوہ دوسری بات ہے بنا برایں آپ نے اس کا تاریخ میں ثابت ہونا قبول کر لیا ہے رہا مسئلہ یہ کہ آپ اس کی سند کے ضعیف ہونے کا دعویٰ رہے ہیں تو ممکن ہے کہ کوئی شخص آپ کے بر عکس یہ دعویٰ کرے کہ اس کی سند صحیح اور معتبر ہے علاوہ بر ایں اگر استغاثہ وتوسل شرک اکبر ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ابن کثیر۔ اگرچہ سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو ۔ اس عمل کی نسبت صحابہ کرام کی طرف دے ؟

جیسے ہی بات یہاں تک پہنچی تو اس وہابی عالم کے بیٹے نے ہماری بات کو قطع کرتے ہوئے کہا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ (طلب حاجت) شرک نہیں ہے !!

میں نے کہا: پھر ہم پر کیوں اعتراض کرتے ہو ؟

اس وہابی عالم نے بات کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے ایک اور موضوع پر گفتگو شروع کر دی.

جو کچھ بیان کیا گیا یہ ایک ایسے وہابی عالم کا طرز تفکر ہے جو وہابیت اور محمد بن عبد الوہاب کے دفاع اور ان کی تعریف میں کتاب تالیف کر چکا . یہ تفکر ہر مسلمان کے ذہن میں یہ سوال ایجاد کرتا ہے کہ کیا واقعا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ وتوسل شرعی اعتبار سے اشکال رکھتا ہے ؟ کیا واقعا استغاثہ کرنے والے کو مشرک ، خارج از دین اور مرتد قرار دے کر اسے قید کر کے چند دن کی مہلت دی جائے تاکہ توبہ کرلے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں اسے پھانسی دے دی جائے ؟![1]

دوسری جانب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ طریقہ کار زمانہ رسالت[2] سے لے کر آج تک مسلمانوں کے درمیان رائج ہے البتہ اسی کتاب میں ہم اس موضوع پر مفصل گفتگو کریں گے لیکن یہاں پر بطور نمونہ چند ایک موارد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں :

1۔ اس بارے میں وہابی کہتے ہیں: دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ونداؤہ والاستغاثۃ بعد موتہ فی قضاء الحاجات و کشف الکربات شرک أکبر یخرج من ملّۃ الاسلام . سواء کان ذلک عند قبرہ أم بعیدا عنہ ،کأن یقول : یا رسول اللہ ! أو ردّ غائبی أو نحو ذلک . فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء 3: 170. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حاجات پوری کروانے یا مشکلات کے حل کے لئے انہیں پکارنا اور ان سے حاجت طلب کرنا شرک اکبر ہے جو انسان کو ملّت اسلام سے خارج کر دیتا ہے. چاہے یہ ان کو پکارنا اور ان سے حاجت طلب کرنا ان کی قبر کے پاس ہو یا دور سے. مثال کے طور پر کہا جائے: یا رسول اللہ! یا غائب کو واپس لوٹا دے یا اسی طرح کے دیگر کلمات.

2۔ المعجم الکبیر 9: 32.

1۔ خلافت عثمان میں صحابی رسول خدا ﷺ عثمان بن حنیف کا ایک مسلمان کو مشکل کے حل کے لیے (قبر) رسول خدا ﷺ سے متوسل ہونے کا حکم دینا۔[1]

2۔ اہل مدینہ کا حضرت عائشہ کے حکم پر باران رحمت کے نزول کے لیے قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوسل ہونا۔[2]

3۔ بعض اصحاب رسول ﷺ کا خلیفہ دوم کے زمانہ میں قبر پیغمبر ﷺ سے متوسل ہونا۔[3]

4۔53 ہجری اور معاویہ بن سفیان کے زمانہ حکومت میں اہل مدینہ کا معاویہ کی جانب سے منصوب حاکم مدینہ کے ظلم و ستم سے چھٹکارا پانے کی خاطر تین دن تک قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاکر پناہ لینا اور آنحضرت ﷺ سے استغاثہ کرنا۔[4]

5۔ حنبلیوں کے رہبر ابو علی خلال کا تقریبا ہزار سال پہلے اپنی مشکلات کے حل کی خاطر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر سے متوسل ہونا۔[5]

6۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں لوگوں کا بخاری کی قبر سے متوسل ہونا۔[6]

1۔ مسند احمد4:138؛ سنن ترمذی 5: 569؛ سنن ابن ماجہ 1: 441.

2۔ سنن دارمی 1: 156؛ سبل الھدی والرشاد 12: 347.

3۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری 2: 577، وفاء الوفاء 4: 1372 .

4۔ مروج الذہب 3: 23.

5۔ تاریخ بغداد 1: 120،7؛

واضح ہے کہ اس موضوع پر کتب اہل سنت میں دسیوں بلکہ سینکڑوں نمونے موجود ہیں جنہیں جمع کیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل ایک مستقل کتاب تالیف ہو سکتی ہے.

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ محمد بن عبد الوہاب جو 1115 ہجری میں پیدا ہوا اور 1143 ہجری میں باقاعدہ طور پر اپنے عقائد کا اظہار کیا اور آل سعود کی حمایت اور شمشیر کے زور پر نجد کے بادیہ نشینوں کو اپنے عقائد کی پیروی پر مجبور کیا ... اس نے اپنے ان عقائد کو کہاں سے لیا اور اسلام کی طرف نسبت دے دی ؟!

البتہ چونکہ وہ ابن تیمیہ کی پیروی کا مدعی ہے لہذا ممکن ہے کہ اس نے ان افکار و عقائد کو اسی سے لیا ہو ، لیکن ہمارا ان دونوں سے یہ سوال ہے کہ کیاجب مسلمان گیارہویںاوربارہویں ہجری میں خلیفہ اول کے زمانہ میں مسیلمہ کذّاب سے جنگ کے لیے جارہے تھے تو ان کا شعار (یا محمداہ) نہیں تھا؟![1]

۔کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سب کافر و مشرک تھے !

۔کیا اہل مدینہ جو زیاد بن ابیہ کے خوف سے تین دن تک قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوسل ہوتے رہے، سب مشرک ہو گیے تھے ؟!

مدینہ منورہ میں ہزاروں صحابہ کرام موجود تھے کیا وہ سب قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوسل ہونے کی وجہ سے مشرک ہو چکے تھے ؟!

۔کیا زوجہ رسول خدا ﷺ (حضرت عائشہ) مسلمانوں کو نزول رحمت کے لئے قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوسل ہونے کا حکم دینے کی وجہ سے مشرک ہو گئی تھیں(نعوذ باللہ من ذلک) ؟!

۔کیا ابن حبان ، ابو علی خلال ، طبرانی ، ابو الشیخ ، حاکم نیشاپوری ، ابوبکر فقیہ شافعی ، محب الدین طبری اور مذاہب اربعہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء اپنی مشکلات کو دور کروانے کے لئے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی قبور سے متوسل ہونے کی وجہ سے مشرک ہو گئے تھے ؟

ہاں ، جیسا کہ بیان کیا جائے گا کہ توسل اور استغاثہ کے بہت زیادہ نمونے کتب اہل سنت میں موجود ہیں جو ہمیں اس امر پر مجبور کرتے ہیں کہ اس خطرناک تفکّر کے بارے میں تحقیق کی جائے اور اس کی حقیقت تک پہنچا جائے.

1۔ البدایہ والنہایہ 6: 329.

چونکہ آج وہابی قبر رسول خدا ﷺ اور آئمہ بقیع کے پاس جانے سے سختی سے منع کرتے ہیں انہوں نے ان قبور کو خاک کے ٹیلے میں تبدیل کر دیا ہے اور ان کے زائرین کو گالیاں ، تھپڑ، توہین اور انہیں گرفتار کر کے روحانی و جسمانی اذیتیں پہنچا کر توسل و استغاثہ اور یا رسول اللہ ! کہنے سے روکتے ہیں وہ مسلسل اس جملے کو دہراتے ہوئے یہ شعار بلند کر رہے ہوتے ہیں :

یہ پتھر کے سوا کچھ نہیں اور بوسیدہ ہڈیاں ہیں

کیا واقعا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، آئمہ ہدیٰ ، شھداء اور...شہادت ووفات کے بعد پتھر اور گلی سڑی ہڈیاں ہیں ؟!

خداوند متعال قرآن کریم میں لوگوں کو توبہ اور گناہوں سے بخشش کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرما رہا ہے :

(ولو أنّهم اذ ظلموا أنفسهم جاؤوک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدواالله توّابا رحيما) .[1]

ترجمہ : اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے .

کیا خداوند متعال نے لوگوں کو پتھر اور گلی سڑی ہڈیوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے ؟! صدر اسلام کے مسلمان (صحابہ و تابعین) جو پیغمبر ﷺ سے توسل بھی کرتے اور ان کے وسیلے سے اپنی حاجات بھی طلب کیا کرتے ، کیا وہ حقیقتا پتھر ، لکڑی اور بوسیدہ ہڈیوں سے استغاثہ کیا کرتے تھے ؟!

1۔ سورہ نساء : 64.

کیا پیغمبر ﷺ کی رحلت سے لے کر محمد بن عبد الوہاب کے زمانہ یعنی 1143ھ تک سارا اسلامی معاشرہ مشرک ہو چکا تھا اور صرف محمد بن عبد الوہاب کے پیروکار وہابی ہی حقیقی مسلمان، خدا کے سچے نمائندے، شعب اللہ المختار اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں؟

کیا حقیقی اسلام کو سمجھنا صرف انہیں میں منحصر ہے؟ یا یہ کہ حقیقت کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ اسلام سے شکست کھانے والے اسلام کی قیمتی تعلیمات کو مسخ کرنے کی خاطر ایسا تفکر پیش کر رہے ہیں. یہ تفکر چہرہ بدل کر اسلام کا اظہار کرتے ہوئے اسلام سے انتقام لینے کے لئے اس طرح کے خطرناک افکار کی ترویج کر رہا ہے. یہی چیز باعث بنتی ہے کہ ہم اس تفکر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تحقیق کریں تاکہ اس کی حقیقت تک پہنچ سکیں اور یہ جان سکیں کہ یہ نعرے سب سے پہلے کس زبان سے نکلے؟!

جی ہاں! مسند احمد بن حنبل اور الکامل المبرد پر ایک ہی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوگیا کہ سب سے پہلے یہ نا شائستہ جملے مروان بن حکم اموی سے سنے گئے جب اس نے ایک صحابی رسول ﷺ ابو ایوب انصاری کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا چہرہ رکھنے کی وجہ سے سختی سے پیش آتے ہوئے اٹھا دیا اور قبر پیغمبر ﷺ کو پتھر سے تعبیر کیا. جبکہ ابو ایوب انصاری نے اسے جواب دیتے ہوئے دو بار کہا:

میں پتھر کے پاس نہیں آیا بلکہ رسول خدا ﷺ کے پاس آیا ہوں. میں پتھر کے پاس نہیں آیا. [1]

مروان کے بعد یہی قبیح جملہ حجاج بن یوسف ثقفی کی زبان پر جاری ہوا جب اسے یہ خبر ملی کہ کوفہ کے کچھ لوگ ایک کاروان کی صورت میں پیغمبر ﷺ کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے سخت ملامت کرتے ہوئے کہا: یطوفون بأعواد ورمة بالیة لکڑیوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرتے ہیں؟[2]

1۔ مسند احمد 5: 422؛ المستدرک علی الصحیحین 4: 560.

2۔ الکامل 1: 185؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 5: 242

البتہ مروان اموی سے اس کے سوا کوئی امید نہیں رکھی جا سکتی ؛ اس لیے کہ یہ وہ شخص ہے جس کا تعلق شجرہ ملعونہ سے ہے .[1]

وہ اسی حکم بن ابو العاص کا بیٹا ہے جسے رسول خدا ﷺ نے مدینہ سے نکال دیا تھا امام حسن علیہ السلام کے جنازے پر تیر چلانے والوں کا سردار وہی تھا وہ امام حسن مجتبیٰ ، امیر المؤمنین علی اور اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا اور کہا کرتا : أنتم اهل البيت ملعونون !! تم اہل بیت ملعون ہو .

یہی وہ شخص ہے جس نے امام حسین علیہ السلام کے کربلا روانہ ہونے سے پہلے ہی ان کو مدینہ میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا .

[2]

یہ وہی ہے جب جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کے ہاتھوں اسیر ہوا تو آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی تو امیر المؤمنین نے فرمایا : انّها كفّ يهودية ، ستلقى الأمة منه ومن ولده يوما أحمر.[3]

1۔ جامع البیان 9: 141 ؛ عمدۃ القاری 19: 30؛ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 6: 285.

2۔ سیر اعلام النبلاء 3: 478؛

3۔ الطبقات الکبری 5:37. 3۔ نہج البلاغہ، خطبہ 73

یہ یہودی ہاتھ ہیں امت اسلام اس اور اس کی اولاد سے سرخ دن دیکھے گی.

جی ہاں! اس تفکر کا آغاز بنو امیہ سے ہوا یعنی وہ جنہوں نے ظلم وتشدد، شمشیر و خونریزی، بے رحمی و سفاکی کے ذریعے لوگوں اپنا تسلط جمایا اور کئی سال تک اسلام کے نام پر اسلامی عقائد کو مسخ کرتے رہے. یہاں تک کہ ان کی سلطنت کا چراغ بجھ گیا.

اب بھی دنیائے اسلام میں جہاں کہیں آتش فتنہ و تفرقہ پایا جاتا ہے اس کے پیچھے اسی تفکر کے پیروکاروں کا ہاتھ اور ان کی منافقانہ سازش کار فرما ہے.

البتہ ہمارا مقصد وہابیوں کے ان مظالم کو بیان کرنا نہیں ہے جو انہوں نے طول تاریخ وہابیت میں انجام دیئے ہیں اس لیے کہ اس کے لیے الگ تحریر کی ضرورت ہے اس کتاب میں ہمارا مقصد ان کے باطل افکار اور بے ارزش نظریات کو ردّ کرنا ہے اس لیے کہ وہ اپنی اس تحریک کے آغاز ہی سے رسوا ہو چکے ہیں یہا ں تک کہ ان ہم پیمان لوگوں نے بھی انہیں رسوا و ذلیل کیا جیسے عبداللہ قصیمی جو کئی سال تک ان کے دستر خوان پر پلتا رہا اور ان کی حمایت میں ((الثورة الوهابية البروق النجدية ، الصّراع بين الاسلام و الوثنية جیسی کتب تالیف کیں ؛ لیکن جیسے ہی اس گروہ کے موہوم افکار کے بارے میں تحقیق کی تو اس گروہ سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور هذه هي الأغلال و...جیسی کتب تالیف کر کے اس گروہ کو عام و خاص میں رسوا کیا جو بھی اس کتاب کا مطالعہ کرے اس گروہ کی حماقت ولجاجت اور ان کے غرور وتکبر سے بخوبی آگاہ ہو جائے گا

۔

لیکن یقینا عبداللہ قصیمی ہی پہلا اور آخری شخص نہیں ہے جس نے بنو امیہ کے اس باقیماندہ گروہ کو رسوا کیا ہو بلکہ اس سے پہلے اور بعد میں دس ایسی کتابیں لکھی جاچکی ہیں جن میں اس گروہ کی مخالفت کی گئی ہے. محمد بن عبدالوہاب کا باپ جو نجد کے حنبلی علماء میں سے تھا اس نے بھی بارہا اپنے بیٹے کی مخالفت کی، اس کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے اس کے خلاف الصواعق الالھیه فی الرد علی الوهابیه کے عنوان سے ایک لکھ کر اسے رسوا کیا.(1)

حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) کے علماء جو اس کے معاصر تھے انہوں نے ان سے بحث و مناظرہ کے بعد ان کے دین کا پابند نہ ہونے، بے دین اور کافر ہونے کا فتوٰی دیا.

امام کعبہ، شافعی فقیہ و مؤرخ سید احمد زینی دحلان 1299ھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

محمد بن عبدالوہاب نے 1146، 1165 اور 1186ھ میں حج ادا کرنے کی غرض سے اپنے نمائندوں کو مکہ بھیجا لیکن علماء اہل سنت نے انہیں کافر قرار دیتے ہوئے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا (2.)

1۔ یہ کتاب اردو زبان میں ابو طالب اسلامک انسٹیٹیوٹ لاہور کی جانب سے ترجمہ و تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے.

2۔ الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ: 29و30، طبع مصر سال 1299ھ.

ہم نے اس کتاب میں ان کے عقائد ونظریات کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے علمی جوابات بھی نقل کر دیے ہیں تاکہ تمام لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ ان کے ان افکار کا تعلق نہ تو عقل سے ہے اور نہ ہی نقل سے. اور زینی دحلان کے بقول علماء حرمین نے یہ فیصلہ دیا:

وجدوهم ضحكة ومسخرة كحمر مستنفرة فرّت من قسورة.[1]

1۔ حوالہ سابق.

انہوں نے مناظرہ کے بعد یہ جان لیا کہ یہ کم عقل لوگ ہیں جو شیروں کے سامنے بھاگ نکلنے والے ہیں.

امید ہے کہ مسلمان بھائی آگاہی اور ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی منافقانہ سرگرمیوں سے بچنے اور انہیں اسلامی معاشرے سے دور رکھنے کی کوشش کریں گے.

آخر میں برادر فاضل ودانشمند حجۃ الاسلام جناب انصاری اور جناب اسفندیاری کا صمیم قلب سے شکرگذار ہوں جنہوں نے کتاب روافدالایمان کا خلاصہ کرنے میں بہت زحمت اٹھائی. امیدوار ہوں کہ ان دو عزیزوں کی زحمت اور بندہ ناچیز کی کوشش ولی نعمت حضرت مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے لطف وکرم کا باعث بنے گی۔ ان شاء اللہ

قم المقدسہ 4 محرم الحرام 1430 ہجری قمری

نجم الدّین طبسی

1۔توسّل

توسّل اور اسکی اعتقادی جڑیں

توسل کا معنی انبیاء و آئمہ اور صالحین کو خداوند متعال کی بارگاہ میں واسطہ قرار دینا ہے اسکی مشروعیت اور جواز کے بارے میں دو اعتبار سے بحث ہو سکتی ہے :

1۔ قرآن کریم 2۔ احادیث

قرآن کریم سے چند ایک آیات کو توسل کی مشروعیت وجواز کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے. سورہ مائدہ میں پڑھتے ہیں :

(یا أیهاالذین آمنوا اتقوالله وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله) [1]

ترجمہ :اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو.

دوسری آیت سورہ مبارکہ نساء کی ہے جس میں یوں بیان کیا گیا ہے :

(ولو أنّهم اذ ظلموا أنفسهم جاؤوک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توّابا رحیما.) [2]

1۔ سورہ مائدہ: 35؛

2۔سورہ نساء: 64

ترجمہ : اورکاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے.

تیسری آیت مبارکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں کے بارے میں ہے جب وہ اپنے عمل پر پشیمان ہوئے اور اپنے والد گرامی کے پاس پہنچے تاکہ وہ خدا وند متعال سے ان کی بخشش کی دعا کریں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی ان کی درخواست کو قبول کرلیا اور فرمایا : میں جلدپروردگارسے تمہاری بخشش کی دعا کروں گا. اس مطلب کو قرآن مجید نےیوں نقل کیا :

(قالوایا أبانا استغفرلنا ذنوبنا انّا کنّا خاطئین . قال سوف أستغفر لکم ربّی انّہ ھو الغفورالر حیم) .[1]

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا بابا جان! اب آپ ہمارے گناہوں کے لیے استغفار کریں ہم یقینا خطاکار تھے. انھوں نے کہا کہ میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا اورمہربان ہے.ـ

1ـ سورہ یوسف : 97 اور 98.

روایات میں بھی کثرت کے ساتھ توسل کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے چند ایک نمونوں کو ذکر کر رہے ہیں :

1۔توسّل حضرت آدم علیہ السلام :

جلال الدین سیوطی (عالم اہل سنت) لکھتے ہیں :

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : حضرت آدم علیہ السلام نے خداوند متعال کی بارگاہ میں یوں توسل کیا :

ألّلهمّ انّی أسئلک بحق مُحَمَّد وآل محمّد سبحانک لااله الّا أنت ، عملت سوئ، وظلمت نفسی ، فاغفرلی انّک أنت الغفور الرحیم(1)

خدایا ! تجھے محمد ﷺ وآل محمد کا واسطہ دیتا تو پاک ومنزہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں. میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا .پس مجھے بخش دے کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے.

2۔ پیغمبر ﷺ کی تاکید اور پیشگوئی:

ایک دوسری روایت جو حضرت عائشہ سے نقل ہوئی ہے اس میں بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے. حضرت عائشہ کہتی ہیں : رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کے بارے میں یوں فرمایا:

هم شرالخلق والخليقة يقتلهم خيرالخلق والخليقة ، وأقربهم عندالله وسيلة .

خوارج بدترین مخلوق ہیں جنہیں مخلوق کا بہترین فرد اور خدا کا نزدیک ترین وسیلہ قتل کرے گا.(2)

1۔ تفسیر الدر المنثور 1:60

2۔ فرائد السمطین 1:36 ، ح1

3۔ فرمان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ابوہریرہ کہتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کے توسل کے بارے میں بیان فرمایا کہ خداوند متعال نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا: یا آدم ! هؤلاء صفوتی ... فاذاکان لک لی حاجة فبهؤلاء توسّل یعنی اے آدم! یہ میرے برگزیدہ بندے ہیں... جب تجھے مجھ سے کوئی حاجت طلب کرنا ہو تو ان کے وسیلہ سے طلب کرنا.

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نحن سفینة النّجاة ، ومن تعلّق بها نجا ومن حاد عنها هلک ، من کان له الی الله حاجة فلیسئلنا أهل البیت[3]

ہم کشتی نجات ہیں جو بھی اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جس نے اس سے روگردانی کی ہلاک ہو گیا. پس جس کسی کو خداوند متعال سے کوئی حاجت ہو وہ ہم اہل بیت کو واسطہ قرار دے۔

4۔ تاکید حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا

دختر رسول خدا ﷺ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اپنے خطبہ میں فرماتی ہیں:

وأحمد الله الذی بعظمتة ونوره یبتغی من فی السماوات والأرض ، الیه الوسیلة و نحن وسیلته فی خلقه .

زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب تقرّب خدا کے لیے وسیلہ کی تلاش میں ہیں اور مخلوق خدا میں اس کا وسیلہ ہم ہیں۔[1]

5۔ صحابہ کرام کا قبر پیغمبر ﷺ سے توسل کرنا:

عسقلانی فتح الباری میں لکھتا ہے: سند صحیح کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں خشک سالی ہوئی تو صحابی رسول ﷺ، بلال بن حارث قبر رسول ﷺ پر پہنچے اور عرض کیا: آپ ﷺ کی امت ہلاک ہو گئی ہے خدا سے باران رحمت طلب کریں

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں خواب میں ملے اور فرمایا: باران رحمت کا نزول ہو گا.[2]

1۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید1: 211؛ بلاغات النساء بغدادی: 14؛ السقیفہ و فدک: 101

2۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری 2: 412؛ 3۔ذہبی نے اس کی شخصیت کے بارے میں لکھا ہے: وہ شافعیوں کے علاّمہ اور شیخ ہیں یہ وہی شخص ہے جو شافعی قواعد و مبانی کے مطابق فتوی دیا کرتا. اس کے شاگرد حاکم نیشاپوری کے بقول مذہب شافعی سے آشنائی میں وہ سب سے زیادہ آگاہ تھے اور 384ھ میں وفات پائی. سیر أعلام النبلاء 16: 447.

6۔ توسّل ابو الحسین فقیہ شافعی :

حاکم نیشاپوری کہتے ہیں میں نے ابو الحسین فقیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ماعرض لی مهم من أمر الدين والدنيا فقصدت قبر الرضا عليه السلام لتلك الحاجة ودعوت عند القبر الّا قضيت لی تلك الحاجة و فرّ ج الله عنی تلك المهمّ ... وقد صارت اليّ هذه العادة أن أخرج الی ذلك المشهد فی جميع ما يعرض لی ، فانّه عندی مجرّب۔

مجھے جب بھی کوئی دینی یا دنیاوی مشکل پیش آتی تو حضرت رضا علیہ السلام کی قبر کے پاس جاکر دعا کرتا تو میری وہ مشکل حل ہو جاتی ....یہاں تک کہ میری یہ عادت بن چکی تھی کہ جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو ان کے مزار کی زیارت کو جاتا اس لیے کہ وہاں پر دعا کا قبول ہونا میرے لیے تجربہ شدہ تھا.(1)

7۔ توسّل ابو الحسین بن ابی بکر فقیہ :

حاکم نیشاپوری کہتے ہیں میں نے ابو الحسین فقیہ سے یہ کہتے ہوئے سنا : قد أجاب الله لی كل دعوة دعوته بها عند مشهد الرضا عليه السلام حتى انّی دعوت الله أن يرزقنی ولدا فرزقت ولدا بعد اليأس منه.

میں نے امام رضاعلیہ السلام کی بارگاہ میں جو بھی دعا کی مستجاب ہوئی یہاں تک کہ میں نے خداوند متعال سے فرزند کی دعا کی تو اس نے ناامیدی کے بعد مجھے فرزند عطا کیا. (2)

8۔ حاکم نیشاپوری کا قبر امام رضا علیہ السلام سے توسّل کرنا:

حاکم نیشاپوری امام رضا علیہ السلام سے اپنے توسل کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

خداوند متعال نے مجھے امام رضا علیہ السلام کی قبر شریف کی کرامات سے بھی آگاہ کیا چونکہ میں نے بہترین کرامات کو مشاہدہ کیا .

نمونہ کے طور پر اپنے بارے میں بیان کرتا ہوں . عرصہ دراز تک پاؤں کے درد میں بتلا رہا یہاں تک کہ میرے لیے چلنا بھی دشوار ہو گیا تھا . اسی حالت میں امام رضا علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لیے چلا ، رات وہاں گزاری ، جب صبح اٹھا تو درد کا اثر تک نہیں تھا اور صحیح وسالم نیشاپور واپس پلٹا . (3)

1۔ فرائد السمطین 2: 220.

2۔ حوالہ سابق 2: 220.

3۔ حوالہ سابق 2: 220.

9۔ زید فارسی کا قبر امام رضا علیہ السلام سے متوسّل ہونا :

حاکم نیشاپوری نے دو واسطوں کے ساتھ زید فارسی سے نقل کیا ہے :

میں دو سال تک پاؤں کے درد میں مبتلا رہا یہاں تک کہ کھڑے ہو کر نماز بھی نہیں پڑھ سکتا تھا ایک رات ایک شخص نے مجھے خواب میں کہا : تم امام رضا علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لیے کیوں نہیں جاتے ؟ قبر کی خاک کو پاؤں پر مل کر اس کے درد سے شفا کی دعا کیوں نہیں کرتے ؟

جیسے ہی نیند سے اٹھا سواری کرائے پر لی اور طوس پہنچ گیا ، قبر شریف کی مٹی پاؤں پر ملی اور بیماری سے شفا کی دعا کی . الحمدللہ شفا مل گئی . اس وقت سے لے کر آج تک دو سال گزر چکے ہیں مگر کسی قسم کی کوئی مشکل پیش نہیں آئی . (1)

1۔ حوالہ سابق 2: 219

10۔ ابو نصر مؤذن نیشاپوری کا توسّل:

جوینی شافعی مؤلف فرائد السّمطین اپنی سند کے ساتھ سے ابو نصر نیشاپوری سے نقل کرتے ہیں:

میں ایک مرتبہ سخت بیماری میں بتلا ہو گیا یہاں کہ میرے لیے کلام کرنا بھی دشوار ہو گیا تھا. اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ قبر امام رضا علیہ السلام کی زیارت کروں اور وہاں پر جا کر ان سے متوسل ہوں اور اپنی بیماری سے شفا کی دعا کروں.

اسی قصد سے سفر شروع کیا، قبر شریف کی زیارت کی اور سر کی طرف کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی، دعا و تضرّع کے ساتھ صاحب قبر (امام رضا علیہ السلام) کو خدا کی بارگاہ میں شفیع قرار دیتے ہوئے شفا کی دعا کی تو میری زبان میں بولنے کی قدرت پید ا ہو گئی.

جب میں سجدہ کی حالت میں عاجزی کے ساتھ دعا کر رہا تھا تو میری آنکھ لگ گئی میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند میں شگاف پیدا ہوا اور اس سے ایک شخص نکلا، میرے پاس آکر کہا: اے ابا نصر! کہہ: لا الہ الا اللہ.

میں نے اشارے کے ساتھ جواب دیا کہ کیسے کہوں جب کہ میری زبان میں سکت ہی نہیں ہے.

اس نے زور سے کہا: کیا قدرت خدا کا منکر ہے؟! کہہ: لا الہ الا اللہ.

فورا میری زبان کھل گئی اور میں نے اس جملہ کو زبان پر جاری کیا. اور اسی جملے کا تکرار کرتے ہوئے نیند سے اٹھا اور پھر اس کا ورد کرتے ہوئے گھر واپس پلٹا، اس کے بعد ہمیشہ کے لیے میری مشکل دور ہو گئی [1]

1۔ حوالہ سابق 2: 217

11۔ امیر خراسان کا قبر امام رضاعلیہ السلام سے توسّل :

جوینی شافعی نے تین واسطوں سے حمویہ بن علی امیر خراسان کے دربان سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے :

ایک دن میں حمویہ کے ہمراہ بلخ کے بازار میں گیا تو وہاںپر اس نے ایک شخص کودیکھتے گرفتار کرنے اور ایک سواری اور غذا خریدنے کا حکم دیا.

جب واپس پلٹے تو اس شخص کو طلب کیا اور اس سے کہا : تو میرے ایک تھپڑ کا مقروض ہے. جس کا قصاص دینا پڑے گا.

اس شخص نے تعجب کرتے ہوئے انکار کردیا .

حمویہ نے اسے یاد دلایا کہ ایک دن ہم اکٹھے امام رضا علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لیے گئے تھے اور تونے وہاں پر یہ دعاکی :

اللّهمّ ارزقنی حمارا ومأتی درهم وسفرة فيها جبنة وخبزة .

خدایا ! مجھے ایک سواری ، دو سو درہم اور ایک غذا جس میں نان و پنیر ہو ، عطافرما .

اور میں نے دعاکی :

اللّهمّ ارزقنی قيادة خراسان .

خدایا ! مجھے خراسان کی حکومت عطا فرما .

تو فورا اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھے ایک تھپڑرسید کرکے کہا : ایسی چیز کی دعا مت کرو جس کا ہونا ممکن نہیں ہے .

جبکہ دیکھ رہے ہو کہ میری بھی دعا قبول ہو گئی اور تیری بھی لیکن حق قصاص باقی ہے .[1]

12۔ ابو علی خلال کا قبر امام موسیٰ کاظم سے توسّل:

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں توسّل کے بارے میں حنبلیوں کے امام سے ایک داستان نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں :

ما همّنی أمر فقصدت قبر موسیٰ بن جعفر فتوسّلت به الاّ سهل الله تعالی لی ما أحبّ.

مجھے جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو موسیٰ کاظم (علیہ السلام)کی قبر پر جاکر توسّل کرتا ، خداوند متعال میری مشکل کو آسان فرما دیتا.[2]

1۔ حوالہ سابق 2: 219.

2۔تاریخ بغداد 1: 120، باب ما ذکر فی مقابر بغداد.

13۔ اہل مدینہ کا قبر پیغمبر ﷺ سے توسّل کرنا:

مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے: اتّصلت ولا يته بأهل المدينة ، فاجتمع الصغير والكبير بمسجد رسول الله صلى الله عليه وآله وضجّوا الى الله ، ولا ذوا بقبر النّبيّ ثلاثة أيّام ، لعلمهم بما هو عليه من الظلم والعسف۔

53 ہجری میں حاکم عراق زیاد بن ابیہ نے معاویہ کو ایک نامہ میں یوں لکھا: میں نے پورے عراق پر اپنے دائیں ہاتھ سے قبضہ کرلیا ہے اور میرا بایاں ہاتھ خالی ہے یعنی مجھے مزید علاقوں کی حکومت سونپی جائے. پس معاویہ نے حجاز کی حکومت بھی اس کے سپرد کردی. جب اہل مدینہ کو اس کی خبر ملی تو شہر کے تمام چھوٹے بڑے افراد مسجد النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہو کر گریہ وزاری اور دعاو فریاد کرنے لگے اور پھر تین دن تک قبر پیغمبر ﷺ پر جاکر ان سے توسّل کرتے رہے. اس لیے کہ وہ اس کے ظلم وستم سے آگاہ تھے. اس توسّل کی بدولت تین دن بعد زیاد بن ابیہ مرگیا. [1]

قارئین محترم! آپ خود توسّل کے جواز کے بارے میں بیان کیے گئے دلائل و شواہد کو وہابیوں کی ادلّہ سے مقایسہ کریں جو اسے شرک اکبر قرار دیتے ہیں اور پھر خود ہی فیصلہ کریں۔

ابن تیمیہ کہتا ہے (الشرک شركان: أكبر وله أنواع ومنه طلب الشفاعة من المخلوق والتوسّل) [2]

1۔ مروج الذہب 3: 32.

2۔ الکلمات النافعۃ فی المفکرات الواقعۃ: 343 ، عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب ضمن الجامع الفرید؛ التوصل الی حقیقۃ التوسل: 12؛ مجموعۃ الرسائل والمسائل 1: 22.

شرک دو طرح کا ہے: ایک شرک اکبر ہے جس کی انواع واقسام ہیں... ان میں سے ایک مخلوق سے شفاعت و توسّل کا طلب کرنا ہے۔

وہابیوں کے عقیدہ کے مطابق صدر اسلام سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان مشرک ہیں اور تنہا نجدی وہابی قرن الشیطان (شیطان کا سینگ) ہی حقیقی موحد ہیں.

علاوہ از ایں ان کے نظریہ کے مطابق تمام دینی تعلیمات چاہے وہ قرآن ہو یا حدیث یا صحابہ کرام کی سیرت یہ سب مسلمانوں کو شرک اکبر کی طرف دعوت دینے والی ہیں! اور توحید کی دعوت دینے والے صرف نئے نبی و رسول یعنی ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب ہیں اور جنّت بھی برطانیہ کے انہی نمائندوں اور ان کے پیروکاروں أشدّ کفرا و نفاقا کے مصداق عربوں کے اختیار میں ہے(!).

2۔ شفاعت

شفاعت کیا ہے ؟

شفاعت کا حقیقی معنیٰ کسی ایسے شخص کے لیے بخشش کی دعا کرنا ہے جو سزا کا مستحق ہو. البتہ مجازی طورپر اپنے منافع کو حاصل کرنے کی درخواست کرنے کے بارے میں بھی استعمال ہوا ہے.

اس کے حقیقی معنیٰ یعنی مجرم سے سزا کے بر طرف ہونیکی درخواست کے بارے میں علماء کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے.[1] مثال کے طورپر شیخ طوسی فرماتے ہیں: ہمارے عقیدہ کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنین کی شفاعت کریں گے نیز خداوند متعال بھی ان کی شفاعت قبول کرے گا جس کے نتیجہ میں اہل نماز گنہگاروں سے عذاب برطرف کر دیا جائے گا.

ہمارے نزدیک خداوند متعال نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کے بہت زیادہ اصحاب، آئمہ معصومین علیہم السلام اور کئی ایک نیک مؤمنین کو شفاعت کی نعمت سے نوازا ہے.[2]

ابو حفص نسفی (ت 538ھ) عالم اہل سنت نے بھی اس بارے میں لکھا ہے[3]: انبیاء اور صالحین کا گناہ کبیرہ کے مرتکب افراد کے لیے بخشش طلب کرنا بہت سی روایات سے ثابت ہے.

1۔ رسائل مرتضیٰ 1: 150؛ اور 3: 17.

2۔ تفسیر تبیان: 213

3۔ العقائد النسفیۃ: 148.

مسلمان اور عقیدہ شفاعت

انجام شدہ تحقیقات کے مطابق تمام مسلمان مسئلہ شفاعت پر اعتقاد رکھتے ہیں. اس بارے ہم میں دو طرح کے نظریات بیان کر رہے ہیں.

1۔ قاضی عیاض کہتے ہیں:

اہل سنت شفاعت کو عقلی اعتبار سے جائز اور شرعی اعتبار سے واجب قرار دیتے ہیں اور اس کے وجوب کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت شریفہ ہے:

(یومئذ لا تنفع الشّفاعة الّا من أذن له الرّ حمٰن ورضی له قول) .[1]

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی. سوائے ان کے جنہیں خدا نے اجازت دے دی ہو اور ان کی بات سے راضی ہو.

دوسری آیت میں ارشاد ہوا: (ولا یشفعون الّا لمن ارتضیٰ) .[2]

اور وہ کسی کی شفاعت بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا اسے پسند کرے.

البتہ اس کے علاوہ بھی کئی ایک آیات ہیں جو شفاعت کے واجب ہونے پر دلالت کر رہی ہیں اور پھر بہت سی متواتر روایات میں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ قیامت کے دن گنہگار مؤمنین کی شفاعت کریں گے . اور تمام اہل سنت علماء کا صدر اسلام سے لے کر آج تک اس کے صحیح ہونے پر اتفاق پایا جاتا ہے.[3]

1۔ سورہ طٰہ: 109.

2۔ سورہ انبیاء: 28.

3۔ شرح صحیح مسلم نووی 3: 35، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحّدین من النّار.

2۔ ناصر الدین مالکی اس بارے میں لکھتے ہیں:

جو شخص شفاعت کا انکار کرے بہتر یہی ہے کہ شفاعت اس کے شامل حال نہ ہو. لیکن جو شخص اہل سنت کی طرح شفاعت پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے وہ خدا کی رحمت کا امید وار ہے اور معتقد ہے کہ شفاعت گنہگار مؤمنین کے لیے ہے. .. جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں نے شفاعت کو اپنی امت کے ان لوگوں کے لیے محفوظ رکھا ہوا ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں.[1]

1۔ الانتصاف فیما تضمنہ من الکشاف من الاعتزال یہ کتاب کشاف کے حاشیہ کے ساتھ چھپ چکی ہے 1: 314.

اقسام شفاعت

شفاعت کے مفہوم کی وسعت کی بناء پر اسے چند قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

1۔ قیامت میں شفاعت :

شفاعت کی اس قسم سے مراد انبیاء ، آئمہ ، شہداء اور صالحین کا مخلوق اور خدا کے درمیان واسطہ بننا ہے جس کے نتیجے میں گنہگار مؤمنین کے گناہ بخش دیے جائیں گے. تمام مسلمان شفاعت کی اس قسم کو قبول کرتے ہیں یہاں تک کہ وہابی بھی ۔

2۔ دنیا میں شفاعت کا طلب کرنا :

شفاعت کی اس قسم میں ہم اسی دنیا میں انبیاء ، آئمہ اور اولیاء الہی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آخرت میں ہماری شفاعت کریں. شفاعت کی اس قسم کو بھی تمام مسلمان قبول کرتے ہیں سوائے وہابیوں کے کہ وہ اسے شرک قرار دیتے ہیں.

شفاعت کی پہلی قسم کو دو طرح سے ثابت کیا جا سکتا ہے :

آیات کی روشنی میں

قرآن کریم کی اس آیت میں یوں وارد ہوا ہے:

(ومن الليل فتهجد به نافلة لک عسى أن يبعثک ربک مقاما محمودا)

اور رات کا ایک حصہ میں قرآن کے ساتھ بیدار رہیئیہ آپ کے لیے اضافہ خیر ہے عنقریب آپ کا پروردگار اسی طرح آپ کو مقام محمود تک پہنچا دے گا [1]

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں لکھاہے کہ مقام محمود سے مراد وہی مقام شفاعت ہے.

دوسری آیت میں فرمایا: (ولسوف يعطيک ربّک فترضىٰ) [2]

اور عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا کردے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے.

احادیث کی روشنی میں

جیسا کہ بیان کیا جاچکا کہ شفاعت کے بارے میں بہت زیادہ احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے صرف دو کو بیان کر رہے ہیں:

پہلی حدیث: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أعطيت خمسا....وأعطيت الشفاعة ، فأدّخر تها لأمتى لمن لا يشرک بالله شيئا [3]

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں.... ان میں سے ایک شفاعت ہے جسے میں نے اپنی امت کے ان لوگوں کے لیے بچا رکھا ہے جو کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے.

1۔ سورہ اسراء: 79.

2۔ سورہ ضحیٰ: 5.

3۔ مسند احمد1: 301؛ سنن نسائی1: 211.

دوسری حدیث: اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنا اوّل شافع و اوّل مشفع.[1]

میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی.

علمائے اسلام کے اقوال کی روشنی میں

علمائے اسلام نے شفاعت کے بارے میں اپنے نظریات کویوں بیان کیا ہے:

1۔ شیخ مفید فرماتے ہیں:

شیعہ اثنا عشریہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز قیامت ایک ایسے گروہ کی شفاعت کریں گے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہوں گے.

نیز امیر المؤمنین علیہ السلام اور بقیہ آئمہ اطہار علیہم السلام بھی روز قیامت گنہگاروں کی شفاعت کریں گے. اور ان کی شفاعت بھی سے بہت سے گنہگار نجات پائیں گے.(اوائل المقالات فی المذاھب والمختارات: 29. اس کتاب میں یوں بیان ہوا ہے:

اتفقت الامامیة علی أنّ رسول اللہ ﷺ یشفع یوم القیامة لجماعة من مرتکبی الکبائر من امته ، وأنّ امیر المؤمنین علیه السلام یشفع فی اصحابه الذنوب من شیعته ، وأنّ أئمة آل مُحَمَّد علیهم السلام کذالک . وینجی اللہ بشفاعتهم کثیرا من الخاطئین

2۔ علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شفاعت ضروریات دین میں سے ہے؛ اس معنیٰ میں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط اپنی ہی امت کی نہیں بلکہ دوسرے انبیاء کی امتوں کی بھی شفاعت کریں گے۔[2]

1۔ سنن ترمذی 5: 248، باب 22، حدیث 3695.

2۔ بحار الأنوار 8: 29 اور 63

3۔ فخر رازی لکھتے ہیں :

امت اسلام کے اجماع و اتفاق کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز قیامت شفاعت کا حق رکھتے ہیں. اور خدا وند متعال کا یہ فرمان : (عسیٰ أن یبعثک ربّک مقاما محمودا) اور (ولسوف یعطیک ربّک فترضیٰ) اسی بات پر دلالت کر رہا ہے[1].

4۔ ابو بکر کلا باذی (م 380ھ) لکھتے ہیں :

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا و رسول ﷺ نے شفاعت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا اقرار کرنا واجب ہے .اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ خدا نے فرمایا : عنقریب تمہیں عطا کروں گا کہ خوش ہو جاؤ گے [2]

قابل ذکر ہے کہ ابن تیمہ اور محمد بن عبدالوہاب نے بھی شفاعت کی اس قسم کا اقرار کیا ہے اور وہ اسکا انکار نہیں کر سکتے [3]

1۔ مفاتیح الغیب 3: 55؛ اس میں یوں ذکر ہوا ہے : اجمعت الأمة علی أنّ لمحمد صلی اللہ علیه وآله شفاعة فی الآخرة و حمل علی ذلک قوله تعالی : عسی أن یبعثک ربک مقاما محمودا أو قوله تعالی : ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ.

2۔ لتعرف مذھب اہل التصوف : 54؛ تحقیق عبدالحلیم. اس کتاب میں لکھا ہے : أنّ العلماء قد اجتمعوا علی أنّ الاقرار بجملة ماذکراللہ سبحانه وجائت به الروایات عن النبی صلی اللہ علیه وآله فی الشفاعة، واجب لقوله تعالی : (ولسوف یعطیک) وقال النبی صلی اللہ علیه وآله : (شفاعتی لأهل الکبائر من امتی

3۔ مجموعۃ الرسائل الکبریٰ : 403؛ الھدیۃ السنیۃ، الرسالۃ الثانیۃ : 42.

دنیا میں شفاعت

انبیاء و آئمہ طاہرین اور صالحین سے اسی دنیا میں شفاعت کی درخواست کرنے کے جوازوتائید کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی ایک روایات ہم تک پہنچی ہیں جن کے ہوتے ہوئے کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے. اس لیے کہ پیغمبر صلی اللہ کی ولادت سے پہلے، آپ کی زندگی میں اور آپ ﷺ کی رحلت کے بعد شفاعت کا طلب کرنا واقع ہوا ہے اور آپ نے اس کی تائید فرمائی ہے. یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام نے آپ کی رحلت کے بعد اس طرح شفاعت طلب کی یا ان کے سامنے شفاعت طلب کی گئی اور انہوں نے اس سے منع نہیں کیا.

ولادت پیغمبر ﷺ سے پہلے ان سے شفاعت طلب کرنا

معتبر تاریخ میں نقل ہوا ہے کہ تبع بن حسان حمیری نے آنحضرت ﷺ کی ولادت سے ہزار سال پہلے ایک نامہ میں ان سے شفاعت کی درخواست کی اور جب یہ نامہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کی تائید بھی کی اوریوں فرمایا: مرحبا بتبع الأخ الصالح. آفرین اے نیک بھائی.))

یہ تعبیر شفاعت کی درخواست کی تائید اور اس سے راضی ہونے کی حکایت کر رہی ہے. اصل واقعہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر ابن اسحاق نے اپنی کتاب المبدأ و قصص الأنبیائ میں نقل کیا ہے اور حلبی(م 1044ھ) نے اسے السیرۃ الحلبیۃ میں ابن اسحاق سے نقل کیا.

تبع بن حسّان نے اس نامہ میں پیغمبر ﷺ کو یوں خطاب کیا ہے: اے محمد! میں تمہارے پروردگار جس کی قدرت میں تمام مخلوقات ہیں اس پر اور ان تمام احکام پر ایمان رکھتا ہوں جو اس کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں. پس اگر تمہاری رسالت کے زمانہ کو پا لیا تو بہت اچھا. اور اگر درک نہ کر سکا تو آپ ﷺ سے درخواست کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میری شفاعت کرنا اور اس دن مجھے فراموش نہ کرنا.

ابن اسحاق مزید لکھتاہے: ابی لیلی کے خاندان کے ایک فرد نے مدینہ کی طرف ہجرت کے دوران راستے میں یہ نامہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پیش کیا. پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نامہ وصول کرنے کے بعد تین بار فرمایا: مرحبا بتبع الأخ الصالح.

حلبی نے اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ تبع کے اس نامہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا.[1]

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں شفاعت کا طلب کرنا شرک کا باعث بنتا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شرک آلود کام کی تائید کریں اور اسکے انجام دینے والے کو بھائی سے تعبیر کریں.؟!

کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مشرک شخص کو بھائی کہہ کر خطاب کر رہے ہیں ؟!

---

1 السيرة الحلبية 2: 279. اس کتاب میں یوں بیان ہوا ھے : امّا بعد يا محمّد ! فانيّ آمنت بک و بربّک وربّ کلّ شيء وبکل ما جائک من ربّک من شرائع الاسلام والايمان و انّي قلت ذلک ، فان ادرکتک فيها ، وان لم ادرکک فاشفع لي يوم القيامة ولا تنسی ...

وکتب عنوان الکتاب الی محمّد بن عبدالله خاتم النبيين والمرسلين ورسول ربّ العالمين ، من تبع الاول حمير أمانة الله في يد من وقع هذاالکتاب الی أن يدفعه الی صاحبه ودفعه الی رأس العلماء المذکورين ...

ثمّ وصل الکتاب الی النبی ﷺ علی يد بعض ولد العالم المذکور حين هاجر وهو بين مکة والمدينة ... و بعد قراء ة الکتاب عليه ﷺ قال : مرحبا بتبع الأخ الصالح ، ثلاث مرّات

. وکان بين تبع هذا أی بين قوله : انه آمن به وعلی دينه وبين مولد النبی ﷺ ألف سنة .

پیغمبر ﷺ کی زندگی میں ان سے شفاعت کا طلب کرنا

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں موجود روایات پر نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رسول خدا ﷺ سے شفاعت کی درخواست کیا کرتے تھے. جن میں سے دو موردکی طرف اشارہ کررہے ہیں :

1۔انس کی روایت:

انس بن مالک کہتے ہیں : میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ روز قیامت میری شفاعت کریں.

آنحضرت ﷺ نے میری درخواست کو قبول کرلیا اور فرمایا: میں اسے انجام دوں گا.

میں نے عرض کیا : اس دن میں کس مقام پر آپ سے ملاقات کروں ؟

فرمایا : پل صراط کے کنارے.۔

میں نے عرض کیا : اگر وہاں آپ ﷺ کو نہ پا سکوں تو پھر ؟ [1]

فرمایا : میزان کے کنارے۔

میں نے پھر عرض کیا : اگر وہاں بھی آپ کو نہ پا سکا تو پھر ؟

فرمایا : حوض کے کنارے . اس لیے کہ میں ان تین مقامات کے علاوہ کہیں اور نہیں ہوں گا.

1۔سنن ترمذی 4: 621 ، ح2433. اس روایت کا متن یوں ہے: انس بن مالک کہتے ہیں: سألت النبی ﷺ أن یشفع لی یوم القیامة ؟

فقال : أنا فاعل . ...قلت : فأین اطلبک ؟

قال: اولا علی الصراط .

قلت : فان لم ألقک ؟

قال : عند المیزان .

قلت: فان لم ألقک ؟

قال : عند الحوض ؛ فانّی لا أخطی هذا المواضع .

2۔ سواد بن قارب کی روایت:

روایت میں آیا ہے کہ ایک دن سواد بن قارب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اشعار کی صورت میں آنحضرت ﷺ سے شفاعت طلب کرتے ہوئے کہا:

وکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة

سواک بمغن فتیلا عن سواد بن قارب [1]

اے پیغمبر! روز قیامت میری شفاعت کرنا، اس روز کہ جب دوسروں کی شفاعت خرما کے برابر بھی میرے کام نہ آئے گی.

1۔ الاصابۃ 2: 675، ح 1109؛ الاحادیث الطوال طبرانی: 256؛ الدّرر السّنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ: 27

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان سے شفاعت کی درخواست

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ پیغمبر ﷺ سے شفاعت صرف ان کی زندگی ہی میں محدود نہیں تھی بلکہ صحابہ کرام وصال کے بعد بھی پیغمبر رحمت ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرتے رہتے. اس بارے میں چند روایات نقل کر رہے ہیں:

1۔ حضرت علی علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ سے شفاعت طلب کرنا:

محمد بن حبیب کہتا ہے: جب حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل وکفن دے چکے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے کفن کو ہٹاتے ہوئے عرض کیا:

بأبی أنت و امّی طبت حیّاو طبت میّتا بأبی أنت و امّی أذکرنا عند ربّک[1]

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ نے پاک و پاکیزہ زندگی کی اور پاک و پاکیزہ ربّ کی بارگاہ میں منتقل ہوئے... میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں اپنے ربّ کی بارگاہ میں ہمیں بھی یاد رکھنا.

1۔ التمہید، ابن عبد البر2: 162؛شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید13: 42، ح23.

2۔ ابوبکر کا پیغمبر ﷺ سے شفاعت طلب کرنا:

حضرت عائشہ کہتی ہیں: جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر ابوبکر تک پہنچی ...تو اس نے اپنے کو رسول خدا ﷺ کے (بدن مبارک) کے اوپر گرایا، چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹا کر آنحضرت ﷺ کی صورت وپیشانی اور رخساروں پر ہاتھ ملتے ہوئے رو کر کہا:.اے محمد ﷺ ! ہمیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں یاد رکھنا.[1]

1۔ تمہید الأوائل و تلخیص الدلائل، باقلانی1: 488؛ الدرر السنیّۃ فی الردّ علی الوہابیۃ: 34؛سبل الھدی والرشاد2:299، باب 28. اس حدیث کا متن یہ ہے: قالت عائشه وغیرها من الصحابة : انّ الناس أفحموا ودهشوا حیث ارتفعت الرنة ... حتی جاء الخبر أبا بکر ... حتی دخل علی رسول الله ﷺ فأکبّ علیه و کشف عن وجهه و مسحه و قبّل جبینه و خدّیه و جعل یبکی و یقول : بأبی أنت وأمی و نفسی وأهلی طبت حیّا و مشیا أذکرنا یا مُحَمَّد عند ربّک .

3۔ اعرابی کا صحابہ کی موجودگی میں شفاعت طلب کرنا:

احمد زینی دحلان (امام الحرمین) نے اس بارے میں ابن حجر عسقلانی سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: روایت میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے تین بعد ایک عرب بادیہ نشین مدینے میں وارد ہوا اور قبر پیغمبر ﷺ پر جا کر اپنے کو اس پر گرایا اور قبر کی خاک کو سر میں ڈال کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپ نے اپنی زندگی میں کچھ باتیں بیان فرمائیں، ہم نے انہیں قبول کیا. جس طرح آپ نے دستورات دینی کو خدا سے لیا اسی طرح ہم نے ان دستورات کو آپ سے لیا وہ آیات جو خداوند متعال نے آپ پر نازل فرمائیں ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے:

(ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاؤوک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توّابا رحيما) ۔

اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے لیے استغفار کرتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے.[1]

یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے اوپر ستم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ خدا سے میری بخشش کی دعا کریں.

اتنے میں قبر پیغمبر ﷺ سے آواز آئی کہ خدا نے تجھے بخش دیا ہے.[2]

1۔ سورہ نساء: 64.

2۔ الدرر السنیۃ فی الردّ علی الوہابیۃ: 21، نقل از جواہر الکلام؛ تفسیر قرطبی 5: 265، ذیل آیت 64 سورہ نساء؛ تفسیر بحر المحیط ابو حیّان اندلسی 4: 180، باب 64 ذیل سورہ نساء.

ان کتب میں یوں نقل ہوا ہے: قال العلاّمة ابن حجر فی جوهر المنّظم : وروى بعض الحفاظ عن أبی سعید السمعانی أنّه روى عن علی رضی الله عنه وكرّم الله وجهه : انّهم بعد دفنه ﷺ بثلاثة ايّام ، جائهم أعرابی ، فرمی بنفسه علی القبر الشريف ... و حثی ترابه علی رأسه ، وقال : يا رسول الله ! قلت فسمعنا قولک و وعيت عن الله ما وعينا عنک ، وكان فيما أنزل الله عليک قوله تعالی : ولو أنهم اذ ظلموا ... وقد ظلمت

حیات انبیاء

اس میں شک نہیں ہے کہ انبیائے الٰہی اور خاص طور پر آخری سفیر الٰہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت کے بعد بھی حیات ابدی کے مالک ہیں. وہ دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں اور امّت کے اعمال ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں.

ان کی یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بالاتر ہے اس لیے کہ یقینا مقام نبوت مقام شہادت سے بلند وبالا ہے اس اعتبار سے پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد ان سے شفاعت طلب کرنا کسی مردے سے شفاعت طلب کرنا نہیں ہے.

اس بارے میں مسلمان علماء و مفکرین نے اپنی آراء بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک کو یہاں بیان کر رہے ہیں:

قسطلانی کہتے ہیں: لا شکّ أنّ حیاة الأنبیاء علیهم الصلاة و السلام ثابتة معلومة مستمرّة و نبیّنا أفضلهم ، و اذا کان کذالک فینبغی أن تکون حیاته أکمل و أتمّ من حیاة سائرهم

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انبیاء کا وفات کے بعد بھی زندہ ہونا ایک ثابت، معلوم اور دائمی امر ہے. دوسری طرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی انبیاء سے افضل ہیں تو آنحضرت ﷺ کی زندگی بھی رحلت کے بعد ان سے اکمل ہوگی.[1]

1۔ المواهب اللدنیة 3: 413.

شوکانی اپنی کتا ب نیل الأوطار فصل صلا ۃ المخلوقات علی النبیّ وھو فی قبرہ حیّ **میں لکھتا ھے:** وقد ذھب جماعة من المحققین الی انّ رسول اللہ ﷺ حیّ بعد وفاته و أنّه یسرّ بطاعات أمته ، وأنّ الأنبیاء لا یبلون ، مع أنّ مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتی ، وورد النصّ فی کتاب اللہ فی حقّ الشھدا ء أنّھم أحیاء یرزقون و أنّ الحیاۃ فیھم متعلقة بالجسد ، فکیف بالأنبیاء والمرسلین وقد ثبت فی حدیث : أنّ الأنبیاء أحیاء فی قبورھم و رواہ المنذری و صحّحه البیھقی

محققین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امّت کی اطاعات سے خوش ہوتے ہیں. انبیاء کے بدن قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتے. مطلقا ادراک جیسے علم وسماعت تمام مردوں کے لیے ثابت ہے اور قرآ ن کریم کی واضح نص کے مطابق شہدا ء زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے. تو ان کی زندگی ان کے بدن سے متعلق ہے. پس جب شھداء ایسے ہیں تو انبیاء و رسول تو بدرجہ اولیٰ زندہ ہیں اور ان کی زندگی ان کے جسم سے مربوط ہے.

ابن حجر ہیثمی اپنی کتاب میں عبد اللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے بعد اپنی حیات کے بارے میں یوں فرمایا: حیاتی خیر لکم تحدثون و یحدث لکم ، ووفاتی خیر لکم ، تعرض علیّ أعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیه وما رأیت من شرّ أستغفرت اللہ لکم

میری زندگی بھی تمہارے لیے باعث برکت ہے اور میری وفات بھی. تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں. جب تمہارے نیک اعمال کو دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور جب تمہارے برے اعمال کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں.

ابن حجر اس حدیث کی سند کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کے راوی وہی صحیح بخاری اور صحیح مسلم والے ہیں.[1]

مسلم نیشاپوری نے بھی اپنی کتاب میں اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مررت علی موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلّی فی قبره

جب مجھے معراج پرلے جایا گیا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز میں مشغول تھے.[2]

1۔ مجمع الزوائد 9: 24؛ الجامع الصغیر: 582؛ کنز العمال 11: 407.

2۔ صحیح مسلم 7: 102 کتاب فضائل موسیٰ علیہ السلام؛ المصنف عبد الرزّاق 3:577.

استغفار آیات کی روشنی میں

اب چونکہ استغفار کی بات آگئی تو مناسب یہی ہے کہ اس موضوع کو آیات و روایات کی روشنی میں پرکھا جائے. اس بارے میں قرآن کریم کی بہت سی آیات موجود ہیں جن میں سے چند ایک کو بیان کر رہے ہیں :

1۔ ہم سورہ منافقون میں پڑھتے ہیں :

(واذا قیل لهم تعالوا یستغفر لکم رسول الله لوّوا رؤسهم و رأیتهم یصدّون وهم مستکبرون) [1]

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے حق میں استغفار کریں گے تو سر پھرا لیتے ہیں اور تم دیکھو گے کہ استکبار کی بناء پر منہ بھی موڑ لیتے ہیں.

خداوند متعال نے اس آیت مجیدہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت طلب کرنے سے رو گردانی کرنے کو نفاق کی علامت بیان کیا ہے. تو اس کی ضد یا نقیض وہی دنیا میں شفاعت کی درخواست کرنا ہے جو ایمان کی علامت ہے.

1۔ سورہ نساء میں بیان ہوا ہے: (ولو أنّهم اذ ظلموا أنفسهم جاؤوک فاستغفروااللہ واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توّابا رحیما) [2]

ترجمہ: اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے.

نیز یہ آیت بھی پیغمبر ﷺ سے بخشش کے طلب کرنے کو واضح طور پر بیان کر رہی ہے جو حقیقت میں وہی طلب شفاعت ہے.

1۔ سورہ منافقون: 5.

2۔ سورہ نساء: 64.

شفاعت کے بارے میں وہابی نظریہ

وہابی فرقہ اس بات کا مدعی ہے کہ دنیا میں شفاعت کا طلب کرنا حرام ہے. ابن عبد الوھاب کہتا ہے :(من جعل بینه و بین الله وسائط یدعوهم و یسألهم الشفاعة کفراجماعا)[1]

جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان واسطے قرار دے ، انہیں پکارے اور ان سے شفاعت طلب کرے تو اجماع کے مطابق اس نے کفر کیا...؛

ہم ان کے اس نظریہ کو ردّ کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے مدعا پر محکم و قاطع ادلّہ بیان کریں گے اور پھر علمی و عقلی ادلّہ کے ساتھ ان کے نظریہ کو ردّ کریں گے.

واضح ہے کہ وہابی دونوں اعتبار سے عاجز و ناتوان ہیں اب ہم فقط ان کی ادلّہ کو بیان کرنے پر اکتفا کریں گے.

سب سے پہلی آیت جس سے وہابی استدلال کرتے ہیں وہ یہ آیت مجیدہ ہے کہ خدا وند متعال فرماتا ہے:((ویعبدون من دون الله مالا یضرّهم ولا ینفعهم و یقولون هٰؤلاء شفعائنا عند الله قل أتنبئون الله بما لا یعلم فی السماوات ولا فی الأرض سبحانه وتعالی عمّا یشرکون))[2]

ترجمہ:اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ. اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں. تو آپ کہہ دیجیے کہ تم تو خدا کو اس بات کی اطلاع کر رہے ہو جس کا علم اسے زمین و آسمان میں کہیں نہیں ہے وہ پاک وپاکیزہ ہے اور ان کے شرک سے بلند و برتر ہے.

محمد بن عبد الوہاب اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے: خدا نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ جو شخص کسی کو خدا اور اپنے درمیان واسطہ قرار دے تو اس نے در حقیقت اس کی پرستش کی اور اسے خدا کا شریک ٹھہرایا ہے.

1۔ مجموعۃ المؤلفات 1: 385؛ اور 6: 68. ،2۔ سورہ یونس: 18.

اس نظریہ کا جواب

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس آیت سے اس طرح کا مفہوم لینا بہت عجیب اور خدا پر جھوٹ و افتراء کا واضح مصداق ہے. اس آیت میں کہاں یہ کہا گیا ہے کہ کسی کو خدا اور اپنے درمیان واسطہ قرار دینا شرک ہے؟ کیا اس طرح کا مفہوم لینا اس آیت مجیدہ کا مصداق نہیں ہے:

(آللہ أذن لکم أم علی اللہ تفترون) .[1]

کیا خدا نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا خدا پر افترا کر رہے ہو ؟

اس لیے کہ آیت کا محور غیر خدا کی عبادت ہے نہ کہ کسی کو شفیع و واسطہ قرار دینا. آیت مجیدہ سے اس طرح کا مفہوم لینا اپنے مدعا کے اثبات کی خاطر ایک طرح کا مغالطہ یا کج فہمی ہے چونکہ یقینا جو لوگ انبیاء و آئمہ اطہار اور صالحین کو واسطہ قرار دیتے ہیں وہ ان کی پرستش نہیں کرتے.

اور پھر اس آیت مجیدہ کا شان نزول بھی اس بات کی حکایت کر رہا ہے کہ جن کی مذمت کی گئی وہ وہ افراد تھے جو واسطوں کی پرستش کیا کرتے تھے نہ کہ صرف ان کو واسطہ قرار دیتے تھے. چند ایک نمونوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں.

جلال الدین سیوطی لکھتا ہے: نضر (جو مشرک تھا) نے کہا:

روز قیامت لات وعزیٰ میری شفاعت کریں گے. اس وقت خدا وند متعال نے یہ آیت نازل کی: (فمن أظلم ممن افتری علی اللہ کذبا أو کذب بآیاتہ انّہ لا یفلح المجرمون. و یعبدون من دون اللہ مالا یضرّھم ولا ینفعھم . ..؛) [2]

ترجمہ: اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا الزام لگائے یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے جب کہ وہ مجرمین کو نجات دینے والا نہیں ہے. اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ...؛

1۔ سورہ یونس: 59.

2۔ سورہ یونس: 17و18.

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر اور شان نزول کے بارے میں لکھتا ہے:

خداوند متعال اس آیت میں ان مشرکین کو ردّ کر رہا جو اس کا شریک قرار دیتے اور ان کی پرستش کیا کرتے. وہ یہ گمان کرتے کہ ان کے خیالی خدا ان کو پروردگار حقیقی کے ہاں نفع پہنچائیں گے. لہذا خدا وند متعال نے ان کے اس باطل عقیدے کے مقابلہ میں ان سے فرمایا: بتوں کی شفاعت نہ تو تمہیں فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان کو تم سے دور کر سکتی ہے. وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں تمہارا گمان درست واقع ہو گا.[1]

ابو حیّان اندلسی نے بھی اس بارے میں یوں اظہار نظر کیا ہے:

فعل یعبدون کی ضمیر کفار کی طرف پلٹ رہی ہے. اور (مالا یضرّھم ولا ینفعھم) سے مراد بت ہیں جو نفع پہنچانے یا ضرر کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتے... اہل طائف لات کی پوجا کیا کرتے اور اہل مکہ عزیٰ، منات، آسافا، نائلہ اور ہبل کی پرستش کیا کرتے.[2]

1۔ *تفسیر القرآن العظیم* 2:624 *ذیل آیت سورہ یونس، اس منبع میں اس طرح سے وارد ہوا ہے۔* ینکر تعالی علی المشرکین الذین عبدوا مع الله غیره ظانین ان تلک الالهة تنفعهم شفاعتها عند الله فأخبر تعالیٰ انها لا تنفع و لا تضر و لا تملک شیئا و لا یقع شیء مما یزعمون فیها و لا یکون هذ ابدا

2۔ *تفسیر البحر المحیط*؛ ج5، ص133 *سورہ یونس کی اٹھارویں آیت کے ضمن میں اس منبع میں اس طرح سے نقل ہوا ہے:* الضمیر فی و یعبدون عائد علی کفار قریش الذین تقدمت محاورتهم وما لا یضرهم و لا ینفعهم هو الاصنام ، جماد لا تقدر علی نفع و لا ضرر وکان أهل الطائف یعبدون اللات و أهل مکة العزی و مناة و أسافا و و نائلة وهبل

آلوسی مشرکین کی اس طرح کی عبادت کو ظلم شمار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

یہ آیت مشرکین کے ایک اور ظلم کی حکایت کر رہی ہے اور اس جملہ کا عطف آیت نمبر 15 پر ہے جس میں یہ فرمایا: (واذاتتلی علیهم) کہ یہ آیت بھی مشرکین کے بارے میں تھی اور خداوند متعال اس آیت کے قصہ کو اس آیت کے قصہ پر عطف کر رہا ہے. اور پھر لفظ ما اس آیت میں یا تو موصولہ ہے یا موصوفہ کہ جس سے مراد بت ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے. اور اس جملہ نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی تم سے ضرر کو دور کر سکتے ہیں کا معنی یہ ہے وہ شفاعت کی قدرت نہیں رکھتے. اس لیے وہ جمادات کے سوا کچھ نہیںنہیں.

اس کے بعد آلوسی نے مزید لکھا ہے:

اہل طائف لات کی پوجا کیا کرتے اور اہل مکہ رزی ، منات ، آسافا ، نائلہ اور ہبل کی پوجا کیا کرتے. اور کہتے کہ یہ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں.

ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے یوں نقل کیا ہے:

نضر بن حارث کہتا ہے: جب روز قیامت آئے گا تو لات و عزیٰ ہماری شفاعت کریں گے. اس کی اس گفتگو کے بعد یہ آیت نازل ہوئی. (1)

1۔ تفسر روح المعانی 11: 88، ذیل آیت 18 سورہ یونس. اس میں یوں بیان ہوا ہے: ويعبدون من دون الله حكاية لجناية أخرٰى لهم ، وهى عطف على قوله سبحانه : واذا تتلى عليهم ، (يونس : 15) الآية عطف قصّة على قصّة وما امّا موصولة أو موصوفة . والمراد بها الأصنام . و معنى كونها لا تضرّ ولا تنفع أنّها لا تقدر على ذلک لأنّها جمادات ، وكان أهل الطائف يعبدون اللات ، وأهل مكّة العزٰى ومناة و هبل و أسافا ونائلة و يقولون : هٰؤلاء شفعائنا عند الله . أُخرج ابن أبى حاتم عن عكرمة قال:كان نضر بن الحارث يقول: اذاكان يوم القيامة شفعت لى اللات والعزٰى ، وفيه نزلت الآية.

حرمت شفاعت پر دوسری دلیل

وہابیوں نے غیر خدا سے شفاعت طلب کرنے کے حرام ہونے کی دوسری دلیل یوں بیان کی ہے :

المیّت لا یملک لنفسه نفعا و لا ضرّا فضلا لمن سأله أن یشفع له الی الله؛[1]

میّت نہ تو اپنے نفع کا مالک ہے اور نہ ہی نقصان کا چہ جائیکہ وہ سوال کرنے والے کی خدا کے ہاںشفاعت کر سکے .

ہم ان کی اس دلیل کے جواب میں کہیں گے : ہم اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے کہ انبیاء ، آئمہ ہدٰی اور شہداء زندہ ہیں اور نعمات الٰہی سے بہرہ مند ہیںجو ان کی حیات مجدد کی علامت ہے

جبکہ اس فرقے کا اشتباہ اسی مقام پر ہے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ انبیاء کی رحلت کے بعد ان سے شفاعت کی درخواست کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مردے سے شفاعت کی درخواست کی جائے . گویا انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کی تلاوت ہی نہیں کی ہے یا اس کے معنیٰ میں تدبّر نہیں کیا یا پھر باقی آیات کی مانند اس آیت کی تفسیر بھی اپنی کج فہمی کے ساتھ کی ہے . خداوند متعال فرماتا ہے :

(ولا تحسبنّ الّذین قتلوا فی سبیل الله أمواتا بل أحیاء عند ربّهم یرزقون . فرحین بما آتاهم الله من فضله و یستبشرون بالّذین لم یلحقوا بهم من خلفهم ألّا خوف علیهم ولا هم یحزنون . یستبشرون بنعمة من الله و فضل و أنّ الله لا یضیع أجر المؤمنین) .[2]

ترجمہ: اور خبردار راہ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہنا وہ زندہ ہیں . اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پارہے ہیں . خدا کی طرف سے ملنے والے فضل و کرم سے خوش ہیں اور جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہو سکے ہیں ان کے بارے میں خوش خبری رکھتے ہیں کہ ان کے واسطے بھی نہ کوئی خوف ہے نہ حزن . وہ اپنے پروردگار کی نعمت ، اس کے فضل اور اس کے وعدے سے خوش ہیں کہ وہ صاحبان ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا .

1۔ مجموعۃ المؤلفات 1: 296؛ اور 4: 42.

2۔ سورہ آل عمران: 169 تا 171.

سمھودی نے بھی کتاب وفاء الوفاء بأحوال دار المصطفیٰ میں ان روایات کو نقل کیا ہے جو انبیاء کی رحلت کے بعد بھی ان کے زندہ ہونے پر دلالت کررہی ہیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے :

ألأنبياء أحياء فی قبورهم يصلّون

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں.

دوسری روایت یہ ہے :

انّ الله حرّم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياءٔ ؛[1]

خدا وند متعال نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجساد کو نقصان پہنچائے .

اس بارے میں اور بھی روایات وارد ہوئی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی رحلت کے بعد ان کے زندہ و جاوید ہونے پر دلالت کرتی ہیں . جو کچھ بیان کیا گیا اس کی بناء پر اس فرقہ کا عقیدہ مسلمانوں کے ان مسلّمہ عقائد کے خلاف ہے جو انہوں نے دسیوں آیات و روایات سے لیے ہیں .

دوسری جانب چونکہ وہابی ان واضح و قاطع ادلّہ کو ردّیا ان کی توجیہ نہیں کرسکتے لہذا ان کا تفکّر مسلمانوں کے تفکّر کے مقابل قرار پاتا ہے اور عبد الکافی سبکی کے بقول ابن تیمیہ : شذّ عن جماعة المسلمين ؛ وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا .[2]

ہم انحراف کے شر، شیطان کے وسوسے اورنفاق سے بچنے کے لیے خداوند متعال سے پناہ چاہتے ہیں .

1۔ وفاء الوفاء بأحوال دار المصطفیٰ 4: 1349.

2۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ 10: 149؛ مقدمۃ الدرّة المضیئۃ فی الردّ علی ابن تیمیہ . بحوث فی الملل والنحل سبحانی 4: 42؛ سلفیان در گذر تاریخ : 23.

Internet Download Manager

.Internet Download Manager has been registered with a fake Serial Number

OK

خاک مدینہ سے علاج

نقل شدہ روایات کے مطابق مسلمان خاک مدینہ کو بطور تبرّک استعمال کیا کرتے. سمھودی کہتے ہیں:

ابن نجّار کی کتاب اور ابن جوزی کی کتاب الوفاء سے ہم تک یہ روایت پہنچی ہے:

غبار المدينة شفاء من الجذام[1]

1۔ *فیض القدیر* 4: 400؛ *التیسیر بشرح الجامع الصغیر* 2: 159.

مناوی فیض القدیر میں لکھتے ہیں: ابو سلمہ کہتے ہیں: مجھ سے پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: غبار المدینة شفاء من الجذا میعنی مدینہ منورہ کا غبار جذام کی بیماری کے لئے شفاء کا باعث ہے

وہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ایک شخص جذام کے مرض میں بتلا تھا ہم نے دیکھا کہ بیماری سے اس کی حالت بہت بری ہوچکی تھی اس نے مدینہ منورہ کی خاک شفاء کے طور پر استعمال کی، ایک دن گھر سے باہر آیا اور (قبا کے راستہ میں وادی بطحان کے اندر) کومة البیضاء نامی ریت کے ٹیلہ پر جاکر اپنے بدن کو زمین پر ملا جس سے اسے شفا مل گئی۔[1]

تبرّک اور اہل سنّت فقہاء کا نظریہ

گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا کہ فقہائے اہل سنت نے تبرّک کے جائز ہونے کا فتوی دیا ہے. عبداللہ بن حنبل کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا: ایک شخص منبر رسول ﷺ کو تبرّک کے طور پر مس کررہا تھا اور اسے چوم رہا تھا اور یہی عمل قبر مبارک پیغمبر ﷺ پر بھی بجا لا رہا تھا، کیا یہ عمل جائز ہے؟

فرمایا: اس میں کوئی عیب نہیں ہے.[2]

یہی روایت کتاب الجامع فی العلل و معرفة الرجال میں اس اضافہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے کہ: یہ شخص ان اعمال کو خداوند متعال کی بارگاہ میں تقرّب کا وسیلہ بھی قرار دیتا ہے؟

احمد بن حنبل نے جواب میں کہا: اس میں کوئی مشکل نہیں ہے.[3]

1۔ فیض القدیر 4: 400.

2۔ بحوالہ سابق 4: 1414؛ سبل الھدی والرشاد 12: 398؛ عمدة القاری 9: 241

ابن العلا کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل کا نظریہ ابن تیمیہ کو دکھایا تو وہ اسے دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا اور کہنے لگا: مجھے احمد سے تعجب ہو رہا ہے اس لئے کہ میرے نزدیک وہ ایک باعظمت شخص ہیں. کیا واقعا یہ انہی کا جملہ ہے ۔[(1)]

رملی شافعی نے بھی تبرّک کے بارے میں اسی طرح کا فتوی دیا ہے: اگر کوئی شخص کسی نبی یا ولی یا عالم کی قبر پر تبرّک کے قصد سے ہاتھ پھیرے یا اسے چومے تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے.[(2)]

محب الدین طبری شافعی کہتے ہیں: قبر کو چومنا اور اسے مس کرنا جائز ہے اور علماء وصالحین کی بھی یہی عادت رہی ہے.[(3)]

آثار پیغمبر ﷺ سے تبرّک

تبرّک کے دیگر نمونوں میں سے ایک پیغمبر ﷺ کے بعد ان کے باقیماندہ آثار سے تبرّک حاصل کرنا ہے منبر رسول ﷺ مسلمانوں کے ہاں ایک خاص عظمت و مقام رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض فقہاء نے اس منبر کی عظمت واحترام کی وجہ سے اس کے پاس قسم کھانے سے منع کیا ہے اور ہمیشہ اس سے تبرّک حاصل کیا کرتے.

کتاب آثار النّبوۃ میں نقل ہوا ہے کہ منبر پیغمبر و ﷺ اپنی جگہ پر موجود تھا کہ آگ کی لپیٹ میں آگیا جس سے اہل مدینہ کو بہت صدمہ پہنچا؛ اسی آتش سوزی میں منبر کا دستہ جس پر آنحضرت اپنا دست مبارک رکھا کرتے اور پاؤں مبارک کے رکھنے کی جگہ بھی جل گئی [(4)]

1۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1414.

2۔ کنز المطالب، حمزاوی :219؛ یہ فتوی شراملسی نے شیخ ابو ضیاء سے "مواہب اللدنیہ" کے حاشیہ میں نقل کیا. 3۔ اسنی المطالب 1: 331؛ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1407
.4۔ الآثار النّبویۃ:

سمہودی کہتے ہیں: پیغمبر ﷺ کے منبر پر غلاف کے مانند ایک کپڑا چڑھا کر روضہ آنحضرت کے پاس محراب میں رکھ دیا گیا، لوگ اس محراب سے ہاتھ بڑھا کر تبرّک کے طور پر منبر مبارک کو مس کیا کرتے تھے۔[1]

انہی روایات کی بناء پر فقہاء تبرّک اور منبر کے مس کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے۔امام مالک کے استاد یعنی یحیی بن سعید انصاری،مالک، ابن عمر اور مسیب سے نقل ہوا ہے کہ وہ منبر رسول ﷺ کے دستے کو مس کرنا جائز قرار دیتے اور اسی طرح اس کا جائز ہونا اہل بیت علیہم السلام سے بھی نقل ہوا ہے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

واذا فرغت من الدّعا ء عند قبر النبیّ ﷺ فآت المنبر فامسحه بیدک وخذ برمّانتیه ، وهما السفلان ، وامسح عینیک ووجهک به ، فانّه یقال : انّه شفاء للعین.[2]

جب قبر پیغمبر ﷺ کے پاس دعا سے فارغ ہوں تو منبر کے پاس جا کر اسے مس کریں اور پھر اسکے دونوں دستوں کو تھام کر اپنی صورت اور آنکھیں اس سے مس کریں، اس لئے کہ یہ عمل آنکھوں کی شفا کا موجب ہے۔

امام غزالی نے بھی اس بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے لکھا ہے: جو شخص پیغمبر ﷺ کی زندگی میں ان کو دیکھ کر تبرّک حاصل کر سکتا ہے وہ ان کی وفات کے بعد ان کی زیارت کر کے بھی تبرّک حاصل کر سکتا ہے اور یہی چیز پیغمبر ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کے جواز کا باعث بنتی ہے۔[3]

1۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفیٰ2: 39.

2۔ وسائل الشیعۃ1: 270،باب 7.

3۔ احیاء العلوم1: 258.

پیغمبر ﷺ کے مس شدہ سکوں سے تبرّک

نقل شدہ روایات کے مطابق صحابہ کرام ان سکوں سے تبرّک حاصل کیا کرتے جنھیں پیغمبر ﷺ نے مس کیا تھا. جابر بن عبداللہ کہتے ہیں: ایک سفر میں میں پیغمبر ﷺ کے ہمراہ تھا تو میرا اونٹ مریض ہو گیا اور میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا، پیغمبر ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے جابر! کیا ہوا؟

میں نے عرض کیا: میرا اونٹ مریض ہو گیا ہے. آنحضرت نے اسے ہاتھ پھیرا تو وہ اس قدر تندرست ہو گیا کہ پورے قافلے سے آگے آگے چلنے لگا. اور پھر آنحضرت نے اسے خریدنے کا فرمایا: تو میں نے عرض کیا: آپ کے لئے حاضر ہے لیکن آپ نے قبول نہ کیا.

اس کے بعد جابر کہتے ہیں: میں اسی اونٹ پر مدینہ گیا تو آنحضرت نے بلال سے فرمایا کہ اسے اونٹ کی قیمت سے کچھ زیادہ پیسے دے دو.

جابر کہتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ یہ اضافی پیسے مرتے دم تک اپنے سے جدا نہیں کروں گا. میں نے انہیں اپنے تھیلے میں رکھ لیا یہاں تک کہ واقعہ حرّہ (یہ وہ دن تھا جب سپاہ یزید نے مدینہ منوّرہ پر حملہ کر کے لوگوں کا وحشیانہ طریقہ سے قتل عام کیا اوران کا مال لوٹ لیا) میں شامی فوجیوں نے مجھ سے چھین لئے۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ انس بن مالک کہتے ہیں: ایک دن حجام پیغمبر ﷺ کے بال تراش رہا تھا تو صحابہ کرام اس کے ارد گرد جمع تھے اور رہر ایک نے آنحضرت کا ایک ایک بال پکڑ رکھا تھا۔[2]

نیز ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ احمد بن حنبل ہمیشہ اپنے پاس ایک بال رکھا کرتے اور کہتے کہ یہ پیغمبر کا ہے[3]

1۔ مسند احمد بن حنبل 3: 314، ح 14416؛ صحیح بخاری 2: 810، ح 2185.

2. جامع االأصول 4:102.

3۔ سیر أعلام النبلاء 11: 256و230.

نقل ہوا ہے کہ معاویہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ مجھے پیغمبر کے پیراہن اور چادر میں دفن کیاجائے اور ساتھ آنحضرت کا بال مبارک رکھا جائے.[1]

اگرچہ یہ وصیت ریا کاری کی بناء پر تھی یایہ کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے چونکہ اس کا راوی عبدالاعلی بن میمون ہے جو مجہول الحال اور رجال کی معتبر کتب میں اس کا نام ونشان تک نہیں ہے. البتہ تبرّک ایک ایسا امر ہے جو مسلمانوں کے درمیان رائج رہا ہے.

کہا گیاہے کہ تاریخ میں یہ بھی نقل ہوا ہے کہ صحابہ کرام پیغمبر ﷺ کے آب وضو کے قطرات سے شفا طلب کرنے کی خاطر آپس میں جھگڑا کرتے.[2]

حضرت عائشہ کہتی ہیں: لوگ اپنے بچوں کو تبرک کے طور پر پیغمبر ﷺ کے پاس لایا کرتے[3]

ابن منکدر تابعی ہمیشہ مسجد نبوی کے صحن میں آکر لیٹ جایا کرتے اور اپنا بدن وہاں پر رگڑاکرتے، جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا: میں نےیہاں پر پیغمبر ﷺ کو دیکھا ہے.

البتہ چونکہ وہ تابعی ہیں اور پیغمبر کو درک نہیں کیا لہذا ان کا یہ کہنا کہ میں نے دیکھا ہے اس سے مراد خواب میں دیکھنا ہے.[4]

روایت میں آیا ہے کہ کبشہ نامی عورت کہتی ہیں: ایک دن پیغمبر ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور لٹکی ہوئی مشک کے دہانے سے پانی پیاتو میں نے اٹھ کر مشک کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا.

ابن ماجہ نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: مناسب یہی ہے کہ جس جگہ پیغمبر ﷺ نے اپنا دہن مبارک رکھا اس سے تبرّک حاصل کیا جائے. ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا اور اسے صحیح و معتبر قراردیتے ہوئے کہا ہے: یہ روایت احمد بن حنبل نے انس سے اور اس نے امّ سلیم سے نقل کی ہے۔[5]

1۔ تہذیب الکمال 18: 526.

2۔ تاریخ بخاری 3: 35، ح 187؛ تاریخ طبری 3: 475.

3۔ مسند احمد بن حنبل 6: 212؛ ح 25812؛ صحیح مسلم 1: 237، ح 286.

4۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4:1406؛ سیر أعلام النبلاء 5: 359،.

وہ قبور اور جنازے جن سے تبرّک حاصل کیا گیا

روایت میں بیان ہوا ہے: ایک شخص نے سعد (صحابی رسول ﷺ) کی قبر کی مٹی اٹھائی اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس سے مُشک کی خوشبو آرہی ہے۔[1]

عبداللہ بن غالب حدانی روز ترویہ (ماہ ذیحجہ کی آٹھویں تاریخ کو روز ترویہ کہا جاتا ہے۔ مترجم) قتل کر دیئے گئے، ان کی قبر کی مٹی سے مُشک کی خوشبو آتی تھی جس کی وجہ سے لوگ اسے اپنے کپڑوں پر ملا کرتے۔[2]

حنبلیوں کے امام احمد بن حنبل نے 241 ہجری میں وفات پائی، ان کی قبر مشہور زیارت گاہ ہے اور لوگ وہاں سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔[3]

سبکی نے امام بخاری کی وفات اور اس کے دفن کے بارے میں یوں لکھا ہے:

جب بخاری کو دفن کر دیا گیا تو لوگ اس کی قبر کی مٹی اٹھا کر لے جایا کرتے یہاں تک کہ خود قبر ظاہر ہونے لگی اور قبر کو بچانا بھی مشکل ہوگیا تھا لہذا قبر کے اوپر ایک جالی لگا دی گئی جو مربع یا مستطیل نما تھی اور اس میں سوراخ تھے اور پھر کسی کا ہاتھ قبر تک نہیں پہنچتا تھا۔[4]

1۔ الطبقات الکبریٰ 3: 431؛ سیر أعلام النبلائ 1: 289.

2۔ حلیۃ الأولیاء 2: 258.

3۔ طبقات حنابلہ، ابویعلی 2: 251؛ قابل ذکر ہے کہ بغداد میں اب اس قبر کا کوئی نشان نہیں ہے۔

4۔ الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ 2: 233؛ سیر أعلام النبلاء 12: 467.

دوسری جانب ابن تیمیہ کے پیروکار اس کے جنازے اور اس کے غسل کے پانی سے تبرّک حاصل کیا کرتے. سوال یہ پید اہوتا ہے کہ کیا ابن تیمیہ کے پیروکار مشرک اور اہل بدعت تھے ؟ کیا یہ فتوی اس کے اپنے پیروکاروں کے لئے نہیں ہے ؟

کیا تبرّک اور مس کرنے کا جائز ہونا ایک عقلی امر اور مسلمانوں میں عام نہیں تھا اور اس کے حرام ہونے کا فتوی دینا ایک غیر معقول اور غیر شرعی کام نہیں ہے؟

ہاں ابن تیمیہ کے تشییع جنازہ میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی وہ تبرّک حاصل کرنے کے لئے اپنے رومال اور پگڑیاں اس کے جنازے پر پھینک رہے تھے اور اس کے جنازے کے تختہ کی لکڑیاں توڑ کر تبرّک سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئے. انہوں نے بچ جانے والے سدر کو خرید کر آپس میں بانٹا نقل ہوا ہے : وہ رسّی جو سیماب میں تر تھی اور ابن تیمیہ جوؤں کو دور کرنے کے لئے اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھتا، وہ ایک سو پچاس درہم میں خریدی گئی. (1)

ابن تیمیہ اور وہابی فکر کے مطابق تو یہ سب کام شرک کے واضح نمونے ہیں بنا بر ایں اس کے جنازے میں شریک تمام لوگ مشرک تھے.

تبرّک کے دیگر نمونوں میں سے ایک یحییٰ بن مجاہد (م 366ھ) سے تبرّک حاصل کرنا ہے. ابن بشکوال کہتے ہیں وہ زاہد عصر اور اپنے شہر کے عابد شخص تھے، لوگ اس سے تبرّک حاصل کرتے اور اس کی دعا کا سہارا لیتے ۔ (2)

1۔ البدایۃ والنھایۃ14: 136؛الکنی والالقاب1:237.

2۔ سیر أعلام النبلائ16:245.

با عظمت چیزوں سے تبرّک حاصل کرنا

مسلمان با عظمت چیزوں سے بھی تبرّک حاصل کیا کرتے، سبکی کہتے ہیں: 642ہجری میں میرے والد دارالحدیث اشرفیہ میں ساکن ہوئے تو وہ ہر شب اس کے برآمدہ میں جاکر فرش پر عبادت کیا کرتے اور اپنی صورت کو اس پر ملتے. یہ فرش اشرف (وقف کرنے والے) کے زمانہ سے وہاں پر موجود تھا اور نووی درس پڑھاتے وقت اس پر بیٹھا کرتے تھے ۔[1]

امام غزالی پیغمبر ﷺ کی زیارت کے آداب میں لکھتے ہیں:

زائر کو چاہیئے کہ وہ اریس نامی کنویں کے پاس جائے اس لئے کہ کہا گیا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس میں آب دہن پھینکا تھا. یہ کنواں مسجد کے قریب ہے پیغمبر ﷺ نے اس سے پانی پیا اور اس کے پانی سے وضو کیا. البتہ مدینہ منوّرہ میں تیس مکان مساجد و زیارت کے عنوان سے معروف ہیں اور شہر کے لوگ ان سے آشنا ہیں اور زائر کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق وہاں جائے ،نیز شفاو تبرّک حاصل کرنے کے لئے اس کنویں کے پاس جائے جس سے آنحضرت ﷺ نے پانی پیا اور وضو و غسل کیا ۔[2]

امام احمد بن حنبل کے بیٹے کے پاس اپنے باپ کی نشانی ایک کرتہ تھا وہ کہتے تھے: میں اس میں نماز پڑھتا ہوںا ور اس سے تبرَک حاصل کرتا ہوں.[3]

1۔ الطّبقات الشافعیۃ الکبرٰی 8: 396.

2۔ احیاء العلوم 1: 260.

3۔ سیر أعلام النبلاء 11: 230.

مختلف صدیوں اور زمانوں میں تبرّک کے بارے میں جو مسلمانوں کی سیرت بیان کی گئی ہے اسے مدّ نظر رکھتے ہوئے کیا یہ وہابیوں کے اسلام او رتوحید سے انحراف کی دلیل نہیں ہے؟

محمد بن اسماعیل بخاری 256 ہجری میں فوت ہوئے، سمرقند کے لوگوں نے اسے دفن کیا اور اس کی قبر کی مٹی سے تبرّک حاصل کیا. کیا وہ کافر تھے؟

آپ کس بناء پر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے ہیںاور ان کی طرف ناروا نسبت دیتے ہیں؟

پس کہاں ہے تمہارے کلام میں تقوٰی و عفت؟

اسلام اور سنت نبوی میں کہاں تمہارے یہ افکار وفتاوٰی موجود ہیں؟ ہم تبرّک کے بارے میں اسی قدر نصوص پر اکتفاء کرتے ہیں ایسی نصوص جن میں قبور سے تبرّک کو مسلمانوں کے درمیان پیغمبر ﷺ سے لے کر آج تک ایک رائج امر بیان کیا گیا اور پھر کسی فقیہ نے نہ یہ کہ اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دیا بلکہ اس کے جواز، رجحان اور استحباب کی بھی تصریح کی ہے. ہم اس بحث کو ذہبی کے کلام پر تمام کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں: میں نے اپنے باپ احمد بن حنبل کو دیکھا انہوں نے پیغمبر ﷺ کا بال مبارک اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا اسے کپڑوں سے مس کرتے اور چومتے، میرے خیال کے مطابق وہ اسے اپنی آنکھوں پر بھی لگایا کرتے. اسی طرح اسے پانی میں ڈال کر اس پانی کو شفا کے طور پر پیا کرتے. ایک دن میں نے دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کے برتن کو پانی میں دھو کر اس پانی کو پی رہے تھے.

ذہبی کہتے ہیں: کہاں ہے وہ ضدی انسان جو احمد کے اس عمل کا انکار کرے؟ جبکہ ایسا عمل ثابت ہے.

عبداللہ نے اپنے باپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو منبر رسول ﷺ کے دستے کو مس کر رہا تھا تو انہوں نے جواب میں کہا: ایسے عمل میں کوئی مشکل نظر نہیں آتی. میں خوارج اور اہل بدعت کے انحرافی افکار سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگتا ہوں.(1)

1- سیر أعلام النبلاء 11: 212.

4۔ استغاثہ

حاجت کی درخواست

وہ موضوعات جو طول تاریخ میں مسلمانوں کے درمیان رائج رہے ہیں ان میں سے ایک استغاثہ اور غیر خدا سے مدد طلب کرنا ہے. اس موضوع میں بھی وہابیوں کانظریہ تمام مسلمانوں کے نظریے کے مخالف ہے.

ابن تیمیہ کہتا ہے:

اگر کوئی شخص ایسے مردے سے جو عالم برزخ میں موجود ہے یہ کہے: میری مدد کو پہنچ، میری مدد کریا میری شفاعت کر، دشمن کے مقابلہ میں میری نصرت فرما اور اسی طرح کے دیگر کلمات جبکہ ان کاموں کو خدا کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا تو وہ مشرک ہے اور اس کا یہ عمل شرک کی اقسام میں سے شمار ہوگا.(1)

وہ اپنے رسالہ زیارة القبور والاستنجاد بالمقبور میں لکھتا ہے:[2]

اگر کوئی شخص کسی نبی یا ولی کی قبر پر جا کر اس سے مدد طلب کرے. مثال کے طور پر اس سے درخواست کرے کہ مجھے بیماری سے شفا دے و... تو وہ واضح طور پر شرک کا مرتکب ہوا ہے ایسا جملہ کہنے والے کو چاہیے کہ توبہ کرے اور توبہ نہیں کرتا تو اس کی گردن اڑا دی جائے.[3]

1۔ الهدیة السنیة: 40.

2۔ رسالہ زیارة القبور: 18، 21 و 156.

3۔ قابل ذکر ہے کہ وہابی آج بھی اپنی فقہی کتب میں اس طرح کے خرافات لکھتے رہتے ہیں مثال کے طور پر کتاب فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء 8:315

نیز محمد بن عبد الوہاب کہتا ہے:

غیر خدا سے حاجت کی درخواست اور ان کو پکارنا دین سے خروج اور مشرکین کے دائرہ میں شامل ہونے کا باعث بنتا ہے ایسے شخص کا مال وجان مباح ہے مگر یہ کہ توبہ کر لے.(1)

وہابی مردے سے دعا طلب کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اور ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

(ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا) (2)

اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہذا اس کے علاوہ کسی کو مت پکارو.

وہابی نظریہ کی تحقیق اور اس پر اعتراض

جیسا کہ عرض کر چکے کہ غیر خدا سے مدد طلب کرنا مسلمانوں کے درمیان رائج امور میں سے ہے. اب وہابیوں کے نظریہ کی گہری تحقیق اور اس پر اعتراض کو بیان کریں گے. ہم ان کے جواب

پر یہ لکھا ہے:

اہل سنت کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹیاں شیعہ یا کیمونسٹ بچوں کو مت دیں اور اگر ایسا عقد واقع ہو جائے تو وہ باطل ہے اس لئے کہ شیعوں میں اہل بیت کو پکارنا اور استغاثہ رائج ہے جو شرک اکبر ہے. اسی کتاب کا مؤلف ایک اور مقام پر لکھتا ہے :

وہ (شیعہ) ایسے مشرک ہیںجو شرک اکبر کا ارتکاب کر کے دین اسلام سے خارج ہو گئے ہیں اس بنا پر ان کو اپنی بیٹی دینا یا ان کی خواتین سے شادی کرنا حرام ہے. اسی طرح ان کے ذبیحے کا کھانا بھی حرام ہے۔

1۔ کشف الشبہات: 58.

2۔ سورہ جن: 18.

میں کہتے ہیںغیر خدا سے مدد تین طرح سے ممکن ہے :

1۔ اس شخص کو فقط نام سے آواز دی جائے. مثال کے طور پر یہ کہیں : یا محمد ! یا عبد القادر ! یا اہل بیت .

2۔ کبھی یوں مدد طلب کی جاتی ہے : اے فلاں ! میرا قرض ادا کر اور مجھے شفا دے .یا محمد ! اپنے فضل و کرم سے مجھے بے نیاز کردیں.

3۔ اور کبھی اس طرح ندادی جاتی ہے : اے فلاں ! میری شفاعت کر .اے فلاں! خدا سے میری حاجت برآوری کی دعا کریں.

واضح ہے کہ ان تین قسموں میں سے کسی ایک میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے اس لئے کہ ہر مسلمان موحّدکا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو مستقل طور پر کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہو یا کسی سے ضرر کو دفع کر سکتی ہو .

بنابر ایں ایسا شخص جسے خداوند متعال نے منتخب کرلیا اور اسے دوسروں پر برتری دی ہے اس کی طرف رجوع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ شخص (نبی و...)واسطہ بنے اوردعا کرے تاکہ جلد حاجت روائی ہو.

اگر کوئی یہ کہے : یا محمد ! خدا سے میری حاجت پوری ہونے کی دعا کریں. تو اس کا حقیقی مقصد خدا وند متعال ہے جس کے ہاتھ میں پوری قدرت ہے اور یہ فعل کو سبب کی طرف نسبت دینے کے باب سے ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کہا جائے کہ بہار نے سبزہ ہی سبزہ کردیا.

قرآن مجید میں بھی اس طرح کے بہت سے موارد پائے جاتے ہیں جہاں بظاہر فعل کی نسبت بندوں کی طرف دی گئی ہے جن میں سے صرف دو موارد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں :

1۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

(ولوأنّھم رضوا ما آتا ھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انّا الی اللہ راغبون)))[1]

ترجمہ: اور اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے اور یہ کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہمیں اپنے فضل سے نوازیں گے بے شک ہم خدا کی طرف راغب ہیں ۔

در حقیقت بے نیاز کرنا صرف خدا ہی کی جانب سے ہے لیکن خداوند متعال نے اس آیت مجیدہ میں اپنے رسول کو بھی رزق دینے میں شریک کیا ہے جبکہ وہابی اس طرح کی گفتگو مجھے رزق دے کو شرک وکفر قرار دیتے ہیں.

2۔ سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یوں پڑھتے ہیں :

(انّی أخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فأنفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وأبرىء الأکمہ والأبرص وأحی الموتی باذن اللہ...) [2]

ترجمہ: میں مٹی سے تمہارے لیے ایک چیز پرندے کی صورت میں بناؤں گا پھر اس میں پھونکوں گا کہ خدا کے ارادہ سے پرندہ بن جائے گا اور میں مادر زاد اندھے اور برص میں بتلا شخص کو ٹھیک کروں گا اور مردوں کو خدا کے ارادہ سے زندہ کروں گا ۔

اس آیت مجیدہ میں بھی خداوند متعال خلق کرنے ،برص کی بیماری اور پیدائشی نابینوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دے رہا ہے. اگر یہ سب

1۔ سورہ توبہ: 59.

2۔ سورہ آل عمران: 49.

جائز ہے کہ یقینا جائز ہے تو پھر رسول گرامی اسلام یا ولی خدا سے .بیماری کی شفا ، حاجت کی بر آوری اور قرض کے ادا ہونے کی درخواست کرنا اور وہ بھی با حکم خدا ، کیسے شرک ہو سکتا ہے .

بنا بر ایں استغاثہ وہی کسی شخص سے دعا کی درخواست کرنا ہے کہ جس میں کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں ہے چاہے مدد کرنے والا مقام ومرتبہ کے اعتبار سے جس کی مدد کر رہا ہے اس سے بلند وبر تر ہو یا کمتر .مزے کی بات تو یہ ہے کہ خود ابن تیمیہ لکھتا ہے :

رسول خدا ﷺ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا :

(مامن رجل یدعوله أخوه بظهر الغیب دعوة الّا وکّل الله بها ملکا ، کلّما دعا لأخیه دعوة ، قال الملک : ولک مثل ذلک) .

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لئے دعا کرے تو خداوند متعال فرشتے اس کے بھائی کی جانب سے وکیل معین کرتا ہے اور جب بھی وہ اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو .(1)

اس حدیث شریف کے مطابق ایسا عمل جائز ہے . اسی طرح دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے:

ایک مرتبہ جب قحط سالی ہوئی تو لوگوں نے پیغمبر ﷺ سے درخواست کی کہ وہ باران رحمت کی دعا کریں .آنحضرت نے خداوند متعال کی بارگاہ میں دعا فرمائی تو بارش برس پڑی .(2)

1۔رسالہ زیارۃ القبور: 12؛ کشف الارتیاب : 223.

2۔ مسند احمد3: 245،ح 13591.

جو کچھ بیان کیا گیا اس کے مطابق اگر کوئی شخص کسی سے اپنے پاس بلانے کی درخواست کرے ،یا اس سے مدد طلب کرے یا اس سے کوئی چیز طلب کرے ، یا یہ کہ وہ اس کی حاجت پوری کرے تو نہ تو اس نے اس شخص کی عبادت کی ہے اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے.

اسی طرح جو شخص پیغمبر کو پکارتا ہے تاکہ وہ اسکی شفاعت کریںتو وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ درحقیقت معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے تو پیغمبر ﷺ سے قبول کرے اور اگر نہ چاہے تو ردّ کر سکتا ہے. پیغمبر ﷺ صرف فیض الہی کے پہنچانے میں واسطہ ہیں اور درخواست کرنے والا شخص بھی مستقل سمجھ کر ان سے درخواست نہیں کرتا.

دوسری جانب جیسا کہ شفاعت کی بحث میں بیان کر چکے کہ انبیاء الہی موت کے بعد بھی زندہ ہیں بنابر ایں انبیاء یا اولیاء جو اس دنیا سے منتقل ہو چکے ان سے توسّل کرنے والوں کی آواز سننے میں شرعی طور پر کوئی مانع موجود نہیں ہے اسلئے کہ وہ زندہ ہیں. نتیجۃً وہابیوں کے یہ نظریات کہ انبیاء و اولیاء مردہ ہیں اور مردہ کچھ سن نہیں سکتا لہذا ان سے توسّل اور حاجت طلب کرنا درست نہیں ہے ، یہ باطل اور فضول باتیں ہیں۔

فقہاء کی نظر میں استغاثہ اور مدد طلب کرنا

جو کچھ بیان کیا گیا اس سے یہ روشن ہوگیا کہ استغاثہ اور غیر خدا سے مدد طلب کرنے کے بارے میں وہابیوں کا نظریہ باطل ہے اور علمائے اہل سنّت نے بھی اس عقیدہ کے باطل ہونے کی تاکید فرمائی ہے جس کے چند ایک نمونے پیش کر رہے ہیں :

1۔ علاّمہ قسطلانی (م923ھ) کہتے ہیں:

پیغمبر ﷺ کی زیارت کرنے والے شخص کے لئے سزاوار یہ ہے کہ وہ آنحضرت کے روضہ مبارک میں عاجزی ودعا کرے اسی طرح آنحضرت سے استغاثہ کرے، ان سے شفاعت طلب کرے اور ان سے توسّل کرے۔[1]

2۔ علاّمہ مراغی (م816ھ) کہتے ہیں:

پیغمبر کی ولادت سے پہلے یا ولادت کے بعد، اسی طرح ان کے اس دنیا سے انتقال کے بعد جب وہ عالم برزخ میں ہوں تب یا جس دن دوبارہ زندہ کیا جائیگا یعنی بروز قیامت، ان سے توسّل کرنے اورمدد و شفاعت طلب کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔[2]

3۔ قیروانی مالکی (م 737ھ) زیارت قبور کے بارے میں ایک الگ فصل میں لکھتے ہیں:

انبیاء و رسل ۔خدا کا درود وسلام ہو ان پر۔ کا احترام یہ ہے کہ زائر ان کی قبور پر جائے اوروہیں دور سے ہی ان کی زیارت کا قصد کرلے۔اور پھر تواضع وعاجزی، انکساری، رازونیاز اور خضوع کے ساتھ ان کی قبر کے کنارے کھڑا ہو کر قلب وفکر کو ان کی طرف متوجہ کرے اور پھر دل کی

1۔المواہب اللدنیۃ3: 417.

2۔ تحقیق النصرۃ: 113.

آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرے اس لئے کہ ان کے بدن مبارک نہ تو گلے سڑے ہیں اور نہ ہی پراکندہ ہوئے ہیں.

پس اپنے گناہوں کی بخشش اور تمناؤں کی حاجت روائی کے لئے خداوند متعال کے ہاں ان کے وسیلہ سے توسّل کرے. اوران سے استغاثہ اور اپنی حاجت طلب کرے اور یہ یقین اور حسن ظنّ رکھے کہ ان کی برکت سے دعا قبول ہوتی ہے اس لئے کہ وہ خدا کے کھلے دروازے ہیں اور سنّت الہی بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کی حاجات کو ان کے وسیلے اور ان کے ہاتھوں سے پورا فرماتا ہے.

اولین وآخرین کے سردار و سرور، پیغمبر اسلام ﷺ کی زیارت کرتے وقت جو کچھ باقی انبیاء کے لئے بیان کیا گیا ہے اس سے کئی برابر زیادہ انجام دے. اور زیادہ سے زیادہ عاجزی وتواضع اوردل شکستگی کے ساتھ ان کی قبر پر کھڑا ہو اس لئے کہ وہ ایسے شفیع ہیں کہ جن کی شفاعت ردّ نہیں ہوتی اور جو بھی ان کا ارادہ کرکے ان کی قبر مبارک پر جائے، ان سے استغاثہ و فریاد کرے تو ناامید واپس نہیں آئے گا. اور آنحضرت ۔ خدا کا درود وسلام ہو ان پر ۔ سے توسّل گناہوں اور خطاؤں کے محو ہونے کا باعث بنتا ہے۔[1]

1۔ المدخل فی فضل زیارۃ القبور 1: 257؛ الغدیر 5: 111.

استغاثے کے نمونے

اب ہم صحابہ کرام اور علمائے اہل سنّت کے قبر پیغمبر ﷺ سے استغاثہ کے نمونے پیش کر رہے ہیں :

1۔نابینا شخص کا پیغمبر سے استغاثہ :

طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ صحابی رسول عثمان بن حنیف سے نقل کیا ہے :

ایک شخص کئی بار اپنی مشکل حل کروانے کی خاطر (خلیفہ سوم) عثمان بن عفّان کے پاس آیا لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ کی.وہ شخص عثمان بن حنیف سے ملا اور سارا ماجرا سنایا.

عثمان بن حنیف نے کہا :وضو کر کے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یوں کہو:

اللّهمّ انّی أسئلک وأتوجّه الیک بنبیّنا محمّد نبیّ الرحمۃ ،یا محمّد ! انّی أتوجّه بک الی ربّی فتقضی لی حاجتی

اے پروردگار!میں اپنے نبی رحمت حضرت محمّد کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں متوجہ ہوں ،یا محمّد! میں آپ کو اپنے ربّ کی بارگاہ میں وسیلہ قرار دیتا ہوں پس آپ میری حاجت پوری فرمائیں.

اس کے بعد اپنی حاجت بیان کر. اس شخص نے عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا اورپھر عثمان بن عفّان کی رہائش گاہ کی طرف گیا جیسے ہی نگہبان نے دیکھا اس کا ہاتھ تھاما اور عثمان کے پاس لے کرپہنچا، اس نے اسے مخمل کے فرش پر بٹھایا اور کہا بتا کیا کام ہے؟ اس شخص نے اپنی مشکل بیان کی تو عثمان نے حل کردی. وہ شخص وہاں سے نکل کر سیدھا عثمان بن حنیف کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے عثمان بن عفّان کو میری سفارش کی. انہوں نے کہا: خدا کی قسم میں نے تو آپ کی کوئی سفارش نہیں کی. البتہ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک نابینا شخص رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی نابینائی کی شکایت کی.

پیغمبر ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا صبر کر سکتا ہے؟

عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو میرا عصا پکڑ کر مجھے ادھر ادھر لے جائے اور یہ میرے لئے سخت ہے.

آنحضرت نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور یہ دعا پڑھو...

عثمان بن حنیف کہتے ہیں: ہم رسول خدا ﷺ کی خدمت میں موجود تھے اور ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ شخص ہمارے پاس پہنچا اور اسطرح کہ گویا کبھی نابینا تھا ہی نہیں.[1]

1۔ اس حدیث کوان کتب میں نقل کیا گیا ہے: مسند احمد 4: 138؛ سنن ترمذی 5: 569، ح 3578؛ سنن ابن ماجہ 1: 441؛ طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر 9: 30، ح 8311 اور المعجم الصغیر 1:306، ح 508 میں لکھا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے

2۔ حضرت عائشہ اور عمر کا پیغمبر ﷺ کی قبر سے استغاثے کا حکم دینا :

دارمی نے اپنی سنن میں یوں نقل کیا ہے :

ایک دن اہل مدینہ سخت قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو حضرت عائشہ سے شکایت کی. انہوں نے کہا : قبر پیغمبر پر جا کر اس میں ایک سوراخ کرو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان مانع نہ رہے.

راوی کہتا ہے : جب لوگوں نے ایسا کیا تو اتنی بارش برسی کہ سبزہ اُگ آیا اور حیوان موٹے ہوگئے، یہاں تک کہ دنبوں کی دم چربی کی وجہ سے ظاہر ہونے لگی اور اس میں چیر پڑ گئے اور اس سال کو فتق (موٹاپے سے چیرا جانا) کا نام دیا گیا ۔[1]

دوسری روایت ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ ابی صالح سمان سے اور اس نے مالک الدار (خلیفہ ثانی کے گودام کے انچارج) سے نقل کی ہے:

خلیفہ دوم کے زمانہ خلافت میں جب قحط سالی پڑی تو ایک شخص قبر پیغمبر ﷺ پر جا کر عرض کرنے لگا : یا رسول اللہ ! آپ کی اُمّت ہلاک ہورہی ہے ان کے لئے باران رحمت کی دعا فرمائیں. اسے خواب میں کہا گیا : عمر کے پاس جاؤ

سیف نے الفتوح میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے : وہ شخص بلال بن حارث مزنی صحابی رسول ﷺ تھے.[2]

مسعودی (م 346ھ) مروج الذھب میں لکھتے ہیں :

53 ہجری میں حاکم عراق زیاد بن ابیہ نے معاویہ کو ایک نامہ میں یوں لکھا :

میں نے دائیں ہاتھ سے عراق کو فتح کرلیا ہے اور بایاں ہاتھ خالی ہے. معاویہ نے حجاز کی حکومت اس کے سپرد کردی. جیسے ہی یہ خبر اہل مدینہ تک پہنچی تو تمام اہل مدینہ مسجد نبوی میں جمع ہو کر گریہ و زاری کرنے لگے اور تین دن تک قبر پیغمبر ﷺ پر اس کے مظالم سے پناہ مانگتے رہے اس لئے کہ وہ اس کے مظالم سے آگاہ تھے....[3]

1۔ سنن دارمی 1: 56؛ سبل الھدی والرشاد 12: 347؛ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1374.

2۔ فتح الباری 2: 495؛ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 372.

3۔ مروج الذھب 3: 32.

ایک اور روایت میں نقل ہوا ہے کہ محمد بن منکدر کہتے ہیں :

ایک شخص نے میرے باپ کے پاس اسّی دینا ر امانت کے طور پر رکھے اور کہا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو انہیں خرچ کر کے جہاد پر جانا.

وہ سال لوگوں نے بہت سختی میں گزارا، میرے والد نے بھی وہ پیسے خرچ کر دیئے .پیسوں کا مالک آیا تو میرے باپ نے کہا کہ کل آنا .

اسی رات میرے والد مسجد نبوی ﷺ میں گئے کبھی قبر کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی منبر شریف کی طرف . صبح کی نماز کے قریب قبر پیغمبر سے استغاثے میں مشغول تھے کہ تاریکی میں ایک شخص نمودار ہوا اور کہا : اے ابو محمد ! یہ لو.

میرے والد نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس سے لے لیا ، جب دیکھا تو ایک تھیلی میں اسّی دینا ر تھے. اب جب صبح ہوئی تو وہ شخص اپنے پیسے واپس لینے آیاتو میرے والد نے وہی اسّی دینار اسے دے دیا.[1]

مزید ایک روایت میں پڑھتے ہیں ابوبکر بن مقری کہتے ہیں :

ایک دن میں ، ابو القاسم طبرانی (م360ھ) اور ابو الشیخ روضہ رسول ﷺ کی زیارت سے مشرّف ہوئے تو وہاں ہمیں بھوک نے شدید پریشان کیا ، ہم نے وہ دن اسی حالت میں گزار دیا جب رات ہوئی تو میں نے قبر پیغمبر ﷺ کے پاس جا کر کہا : یا رسول اللہ ! ہم بھوکے ہیں.

اس کے بعد اپنے دوستوں کے پاس پہنچا ، ابو القاسم طبرانی نے مجھ سے کہا : یہیں پر بیٹھ جاؤ. یا آج کھانا آئے گا یا موت .

1۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1380.

ابوبکر کہتے ہیں: میں اور ابوالشیخ اٹھے مگر طبرانی وہیں پر کچھ سوچ رہا تھا کہ اتنے میں اچانک ایک شخص نے مسجد کے دروازے پر دستک دی، ہم نے دروازہ کھولا تو دیکھا ایک علوی شخص ہے جس کے ہمراہ دو غلام ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کھانے سے بھری ہوئی ٹوکریاں ہیں. ہم نے ان سے کھانا لیا اور سیر ہو کر کھایا اور یہ سوچا کہ بچا ہوا کھانا وہ اپنے ساتھ لے جائیں گے لیکن وہ اسے وہیں پر چھوڑ کر چلے گئے. جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس علوی نے کہا: کیا تم نے رسول خدا ﷺ سے بھوک کی شکایت کی ہے؟ میں نے خواب میں رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ انہوں نے مجھے فرمایا کہ تمہارے لئے غذا لے آؤں.[1]

سمہودی نے ایک اور روایت میں نقل کیا ہے کہ ابن جلاد کہتے ہیں:

میں مدینہ میں داخل ہوا جبکہ انتہائی فقر و تنگدستی میں بتلا تھا. قبر پیغمبر ﷺ پر پہنچا اور کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں.

اسی عالم میں میری آنکھ لگ گئی، خواب میں رسول خدا ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ نے مجھے ایک روٹی دی جس میں سے میں نے آدھی کھائی. جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ باقی آدھی میرے ہاتھ میں ہے.[2]

سمہودی نے ایک اور داستان میں یوں لکھا ہے:

ابوعبداللہ محمد بن ابی زرعہ صوفی کہتے ہیں: میں اپنے والد اور عبداللہ بن حنیف کے ہمراہ مکّہ کا سفر کر رہا تھا کہ راستے میں شدید تنگدستی کا شکار ہوگئے. جب مدینہ منوّرہ میں داخل ہوئے تو سخت

1۔ حوالہ سابق4: 1380.

2۔ حوالہ سابق.

بھوک لگی تھی. میں جو ابھی سنّ بلوغ تک نہیں پہنچا تھا اپنے باپ کے پاس پہنچا اور کہا: مجھے بھوک لگی ہے.

میرے والد ضریح پیغمبر کے پاس گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آج کی رات ہم آپ کے مہمان ہیں!

اور پھر انتظار کرنے بیٹھ گئے. تھوڑی دیر کے بعد اچانک سر بلند کیا کبھی روتے تھے اور کبھی ہنستے تھے. جب اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: پیغمبر ﷺ کی زیارت ہوئی ہے تو انہوں نے مجھے کچھ درہم عنایت کئے ہیں اتنے میں ہتھیلی کھولی تو اس میں درہم موجود تھے. ان درہموں میں اتنی برکت تھی کہ شیراز واپس پلٹنے تک ہم ان میں سے خرچ کرتے رہے مگر وہ ختم نہ ہوئے. (1)

سمہودی نے اسی بارے میں ایک اور داستان بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الامان کہا کرتے: میں مدینہ میں محراب فاطمہ علیہا السلام کے پیچھے موجود تھا اور جناب سید مکثر القاسمی بھی اسی محراب کے پیچھے کھڑے تھے. اچانک قبر پیغمبر ﷺ کی طرف بڑھے اور پھر واپس پلٹے تو میں نے دیکھا مسکرا رہے ہیں.

شمس الدین صواب (ضریح مبارک کے خادم) نے ان سے پوچھا: کیوں ہنس رہے ہیں؟ کہنے لگے: میں سخت تنگدست ہو چکا تھا گھر سے نکلا اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر پہنچ کر رسول خدا ﷺ سے استغاثہ کیا اور کہا: میں بھوکا ہوں. اس کے بعد سو گیا، خواب میں پیغمبر کو دیکھا، انہوں نے دودھ کا ایک جام دیا جسے پی کر میں سیر ہو گیا. (2)

1۔ حوالہ سابق 4: 1381.

2۔ حوالہ سابق 4: 1383.

کتاب وفاء الوفاء کے مؤلف نے ایک اور دلچسپ داستان یوں بیان کی ہے:

جناب ابو محمّد سید عبد السلام بن عبد الرحمان حسینی بیان کیا کرتے : میں نے پیغمبر ﷺ کے شہر میں تین دن گزارے اوران تین دنوں میں کھانا نہیںکھایا تھا. منبر پیغمبر ﷺ کے پاس گیا دو رکعت نماز پڑھ کر کہا : اے جدّ بزرگوار! میں بھوکا ہوں اور آپ سے یخنی کا طلبگار ہوں.

اتنے میں مجھ پرنیند غالب آگئی ، اچانک ایک شخص نے مجھے نیند سے بیدار کیا جس کے ہاتھ میں یخنی سے بھرا لکڑی کا پیالہ تھااور مجھ سے کہا: اسے پیو.

میں نے کہا : یہ غذا کہاں سے لے آئے ہو ؟

کہنے لگا : تین دن سے میرے بچے اس غذا کی فرمائش کر رہے تھے آج تیسرے دن خدا وند متعال کی رحمت سے مجھے کام ملا تو یہ غذا تیار کر کے کھا کر سوئے تورسول خدا ﷺ نے خواب میں فرمایا: تمہارا ایک بھائی اسی غذا کی تمنا رکھتا ہے اسے جا کر دے آؤ.[1]

اہل بیت کی قبور سے استغاثہ

قابل غوربات یہ ہے کہ طول تاریخ میں علمائے اہل سنّت ، اہل بیت علیہم السلام کی قبور سے بھی حاجت طلب کرتے رہے ہیںجس کے چند ایک نمونے بیان کر رہے ہیں :

1۔ قاہرہ میں مقام امام حسین سے استغاثہ :

حمزاوی عدوی (م1303ھ) اپنی کتاب مشارق الانوار میں امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے محل دفن کے بارے طولانی گفتگو کے بعد لکھتے ہیں:

شایستہ تو یہی ہے کہ اس عظیم زیارت گاہ کی زیادہ سے زیادہ زیارت کی جائے تاکہ

1۔ حوالہ سابق.

انسان اس کے وسیلہ سے خدا وند متعال سے توسّل کرسکے اور اس امام بزرگوار سے جس طرح ان کی زندگی میں طلب کیا جاتا تھا اسی طرح اب بھی درخواست کی جائے، اس لئے کہ وہ مشکل کشا ہیں اور ان کی زیارت ہر مصیبت زدہ شخص سے ناخوشگوار حوادث کو دور کرتی ہے. اور انکی نورانیت اور ان کے توسّل سے ہر غافل دل خدا سے متصل ہو جاتا ہے.

انہی ناخوشگوار حوادث کا ایک نمونہ وہ حادثہ ہے جو میرے استاد بزرگوار، عارف باللہ محمد شبلی معروف ابن الست کتاب العزیّۃ کے شارح کو پیش آیا کہ ان کی تمام تر کتب چوری ہو گئیں. وہ پریشان حال اور مضطرب تھے. آخر ہمارے ولی نعمت حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچے اور مناجات کے ساتھ آنحضرت سے استغاثہ کیا. تھوڑی دیر وہاں رکنے اور زیارت کرنے کے بعد جب واپس گھر پہنچے تو دیکھا ساری کی ساری کتابیں بغیر کسی کمی کے اپنی جگہ پر موجود ہیں. [1]

2۔ نابینا شخص کا بارگاہ امام حسین علیہ السلام سے توسّل:

شبراوی شافعی (م 1172ھ) نے اپنی کتاب الاتحاف بحبّ الاشراف میں مصر میں امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے دفن ہونے کے مقام کے بارے میں ایک الگ فصل تحریر کی ہے جس کے ایک حصّہ میں آنحضرت کی زیارت اور ان کی کچھ کرامات کو ذکر کیا. انہی کرامات میں سے ایک کرامت یوں بیان کی ہے:

شمس الدین قعوینی نامی شخص جو اس بارگاہ کا ہمسایہ اور اس کا خادم بھی تھا ایک دن آنکھ کے درد میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ دونوں آنکھوں کی بینائی بھی دے بیٹھا. وہ ہر روز صبح کی نماز اسی بارگاہ

1۔ مشارق الأنوار 1: 197؛ الغدیر 5: 191.

میں ادا کرتا اور پھر ضریح مبارک امام حسین علیہ السلام کی طرف منہ کر کے کہتا: اے میرے مولا! میں آپ کا ہمسایہ ہوں نابینا ہو چکا ہوں، خداوند متعال سے آپ کے وسیلہ سے طلب کرتا ہوں کہ میری بینائی پلٹا دے اگرچہ ایک ہی آنکھ کی ہو.

ایک رات خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک گروہ اس بارگاہ کی طرف آرہا ہے. اس نے جا کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟

تو جواب میں کہا گیا: یہ شخص رسول خدا ﷺ ہیں جو اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے آتے ہیں. یہ شخص بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور وہی درخواست جو عالم بیداری میں کرتا تھا اب بھی امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں کی.

امام حسین علیہ السلام اپنے جدّ گرامی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے عرض کیا:

اس شخص کی شفاعت فرمائیں.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! اس کی آنکھ میں سرمہ لگا دو.

انہوں نے اطاعت کرتے ہوئے سرمہ دانی نکالی اور اس شخص سے فرمایا: میرے نزدیک آتا کہ تمہاری آنکھ میں سرمہ لگاؤں.

وہ شخص پاس آیا تو اس کی دائیں آنکھ میں سرمہ لگا دیا. اس نے جلن کا احساس کیا تو زور سے چیخ ماری اور نیند سے اٹھ گیا جبکہ ابھی تک جلن کا احساس ہو رہا تھا. اسی کرامت سے اس کی دائیں آنکھ کی بینائی واپس پلٹ آئی اور جب تک زندہ رہا اسی آنکھ سے دیکھتا رہا.[1]

1۔ الاتحاف بحبّ الاشراف: 75 سے 101؛ الغدیر 5: 187.

3۔ ابن حبّان کا قبر امام رضا علیہ السلام سے استغاثہ :

علمائے اہل سنّت میں سے ایک عالم دین جس نے اہل بیت علیہم السلام سے توسّل کیا ابن حبّان ہیں. اس کرامت کو بیان کرنے سے پہلے ہم اس بزرگوار کی شخصیت اور اہل سنّت کے ہاں اس کے مقام کو بیان کررہے ہیں.

اہل سنّت کے علمائے علم رجال نے ابن حبّان کے بارے میں یوں لکھا ہے :

وہ امام، علاّمہ، حافظ [1] اور خراسان کی بزرگ شخصیت تھے.وہ مشہور کتب کے مؤلف ہیں 270ھ میں پیدا ہوئے، کچھ مدّت سمرقند کے قاضی بھی رہے.وہ فقہاء اور سلف کے دینی آثار کی حفاظت کرنے والے تھے. انہوں نے مسند صحیح کو الأنواع والتقاسیم کے نام سے تحریر کیا اور کتاب التاریخ اور الضعفاۂ بھی انہی کے آثار میں سے ہے.سمرقند کے لوگ ان سے علمی استفادہ کیا کرتے...

ابوبکر خطیب بغدادی نے انہیں قابل اعتماد اور ثقہ علماء میں سے شمار کرتے ہوئے کہا ہے: ابن حبّان قابل اعتماد، برجستہ، سمجھ دار اور باریک بین انسان تھے.

حاکم نیشاپوری ان کی تعریف میں لکھتے ہیں :

ابن حبّان علوم فقہ و لغت اور حدیث ووعظ سے سرشار اور صاحب فکر وسرشناس بزرگ افراد میں سے تھے اور ہمارے پاس نیشاپور میں مقیم رہے. [2]

ان تمام خصوصیات کے مالک ابن حبّان کئی بار امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے گئے

1۔ حافظ ایسے شخص کو کہاجاتا ہے جسے ایک لاکھ سے بھی زیادہ احادیث زبانی یاد ہوں.

2۔ سیر أعلام النبلاء 16: 92؛ میزان الاعتدال : 6: 98؛ طبقات سبکی 3: 131؛ الأنساب 2: 164.

اور ان سے استغاثہ کیا. کیا ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں میں یہ جرأت ہے کہ وہ ایسے شخص کی طرف کفر وشرک یا نادانی کی نسبت دیں ؟

وہ امام علی بن موسٰیؑ ی رضا علیہ السلام کے بارے میں یوں لکھتے ہیں :

علی بن موسٰی رضا علیہ السلام مامون کی جانب سے زہریلا شربت پلانے کے سبب وہیں طوس میں شہادت پا گئے. ان کی قبر سناباد نوقان سے باہر اور مشہور زیارت گاہ ہے... میں نے کئی بار وہاں پر ان کی قبر کی زیارت کی. جب میں طوس میں تھا تو جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو میں علی بن موسٰیؑ ی رضا۔ خدا کا درود وسلام ہو ان پر اور ان کے جدّپر۔ کی زیارت کے لئے جایا کرتا اور وہاں پہ اپنی مشکل کے برطرف ہونے کے لئے خدا سے دعا کرتا اور میری دعا مستجاب ہو جاتی. جب تک طوس میں رہا میں نے اسے بارہا تجربہ کیا. خدا وند متعال ہمیں محبت مصطفٰی اور ان کے اہل بیت ۔ ان پر اور ان کے اہل بیت پر خدا کا درود ہو ۔پر موت دے . [(1)]

4۔ ابن خزیمہ کا قبر امام رضا علیہ السلام پر التماس کرنا:

محمد بن مؤمّل (2) کہتے ہیں : میں امام اہل حدیث ابوبکر بن خزیمہ ، ان کے دوست ابن علی ثقفی اور اساتیذ و علماء کے ایک گروہ کے ہمراہ طوس میں علی بن موسٰی الرِّضا علیہ السلام کی قبر کی زیارت پر گیا. تو اس زیارتی سفر میں دیکھا کہ ابن خزیمہ اس مقام کا خاص احترام. اور تواضع کر رہا

1۔ کتاب الثقات 8: 456؛ الانساب سمعانی 1: 517.

2۔ ان کی شخصیت کو پہچاننے کے لئے سیر اعلام النبلاء 16: 23 کا مطالعہ کریں.

ہے اور اس کے نزدیک خاص طریقے سے التماس کررہا تھا جس سے ہمیں بہت تعجب ہوا. [1]

ذہبی ابن خزیمہ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ابن خزیمہ شیخ الاسلام، امام الآئمہ، حافظ، حجّت، فقیہ اور علمی آثار کے مالک ہیں. وہ 223ہجری میں پیدا ہوئے اور علم حدیث وفقہ میں اس قدر تجربہ حاصل کیا کہ علم وفن میں ضرب المثل بن گئے.

امام بخاری اورامام مسلم نے اپنی صحیح کے علاوہ باقی کتب میں ان سے احادیث نقل کی ہیں[2]

ان کے بارے میں کہا گیا ہے: خداوند متعال ابوبکر بن خزیمہ کے مقام و عظمت کی وجہ سے اس شہر سے بلاؤں کو دور کرتا ہے.

دار قطنی نے بھی ان کے بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے لکھا ہے:

ابن خزیمہ ایسے پیشوا تھے جو علم کے اعتبار سے باریک بین اور بے نظیر تھے.

باقی رجال شناس علماء نے ابن خزیمہ کے بارے میں کہا ہے: وہ سنّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ کرنے والے ہیں احادیث پیغمبر ﷺ سے ظریف نکات کونکالتے. وہ ایسے علماء میں سے تھے جو اعتراض کی نگاہ سے احادیث کو دیکھتے اور احادیث کے راویوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے.وہ علم ودینداری، نیز سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لوگوں کے درمیان عزّت ومقام رکھتے تھے. [3]

ابن ابی حاتم، ابن خزیمہ کے بارے میں کہتے ہیں: وہ ایسے پیشوا ہیں جن کی پیروی کی جاتی

1۔تہذیب التہذیب 7: 339؛ فرائد السمطین 2:198.

2۔ سیر اعلام النبلائ14: 365.

3۔ سیر اعلام النبلائ14: 374۔377.

ہے۔ ایسا شخص جس کا اہل سنّت کے ہاں اتنا بلند مرتبہ ہے وہ امام رضا علیہ السلام سے استغاثہ بھی کر رہے ہیں اور ان کی قبر پر عاجزی و التماس بھی کر رہے ہیں. کیا ایسے شخص کے بارے میں ابن تیمیہ یا اس کے پیروکار یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مشرک یا کافر تھے ؟

کیا وہ ابن خزیمہ یا ان جیسے دوسرے افراد کے بارے میں منفی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں؟!!

بعض صحابہ کرام اور علمائے اہل سنّت کی قبور سے استغاثہ

گزشتہ مطالب کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کی سیرت میں استغاثے کی اہمیت معلوم ہو گئی کہ یہ امر طول تاریخ اسلام میں مسلمانوں کے درمیان رائج رہا ہے۔ اب ہم ان بعض صحابہ کرام اور علمائے اہل سنّت کی قبور کی طرف اشارہ کریں گے جن سے استغاثہ کیا گیا:

1۔قبر ابوایوب انصاری (م52ھ روم):

حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں: لوگ ابو ایّوب انصاری کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتے اور خشک سالی وقحط میں ان کی قبر پر جا کر باران رحمت کی التماس کرتے.[1]

2۔ قبر ابو حنیفہ:

ابن حجر لکھتے ہیں: امام شافعی جب تک بغداد میں رہے ابو حنیفہ کی زیارت کے لئے جایا کرتے اور ان سے توسّل کرتے. ان کی ضریح کے پاس جاکر زیارت کیا کرتے، ان پر سلام بھیجتے اور ان کے وسیلے سے اپنی حاجات کی برآوری کے لئے خدا سے متوسّل ہوتے.

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں: نقل معتبر کے مطابق امام احمد بن حنبل امام شافعی سے توسّل کیا کرتے یہاں تک کہ ایک دن ان کے بیٹے اپنے باپ کے اس عمل سے تعجب کرنے لگے

1۔ المستدرک علی الصحیحین 3: 518، حدیث 5929؛ صفۃ الصفوۃ 1: 470، ح40.

.احمد نے اس کے تعجب کو دیکھ کر کہا : شافعی لوگوں کے لیے خورشید کی مانندہیں اور ان کا مقام وہی ہے جو بدن کے لئے سلامتی کا ہوتا ہے.

اور جب امام شافعی کو یہ خبر دی گئی کہ مغرب کے لوگ امام مالک سے توسّل کرتے ہیں تو انہوں نے ان کے اس عمل کو برا بھلا نہیںنکہا.

شافعی کہتے ہیں : میں ابو حنیفہ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز ان کی قبر پر جاتا ہوں اور اگر کوئی حاجت ہوتو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر جاکر خدا سے حاجت کی برآوری کی التماس کرتا ہوں.[1]

3۔ قبر احمد بن حنبل :

ابن جوزی مناقب احمد میں لکھتے ہیں:

عبداللہ بن موسیٰ کہتے ہیں : ایک دن میں اپنے والد کے ہمراہ احمد کی قبر کی زیارت کے لیے باہر نکلا تو آسمان پر سخت تاریکی چھا گئی . میرے باپ نے مجھ سے کہا : آئیں ابن حنبل کے وسیلے سے خدا سے متوسّل ہوں تاکہ وہ ہم پر راستے کو روشن کردے. اس لئے کہ اسّی سال سے جب بھی میں نے ان سے توسّل کیا ہے تو میری حاجت پوری ہوتی رہی ہے ...[1]

4 ۔ قبر ابن فورک اصفہانی (م 406ھ) :

ابن فورک محمد بن حسن متکلمین کے استاد اور اشعری مذہب تھے. وہ حیرہ (نیشاپور کے اطرف میں)دفن ہوئے، انکی بارگاہ معروف اور ایک زیارتی مکان ہے. لوگ ان سے بارش طلب کرتے

1۔ خلاصۃ الکلام : 252؛ تاریخ بغداد 1: 123؛ اخبار أبی حنیفہ : 94.

2۔ مناقب احمد : 297.

ہیں اور ان کی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے.[1]

5۔ قبر شیخ احمد بن علوان (ت 750ھ):

یافعی کہتے ہیں: شیخ احمد بن علوان کی کرامات میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ جو فقہاء ان کے نظریے کے مخالف تھے وہ بھی مشکلات میں ان سے توسّل کرتے اور بادشاہ کے خوف سے ان کے ہاں پناہ لیتے.[2]

خاتمہ

ہم نے اس تحریر میں استغاثہ، توسّل اور دعا کے بارے میں اختصار کے ساتھ تاریخی شواہد کو بیان کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ امر طول تاریخ اسلام میں قبر پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام کی قبور پر مسلمان انجام دیتے آئے ہیں جیسا کہ حنبلیوں کے امام ابو علی خلال ہر مشکل میں امام موسٰی کاظم علیہ السلام کی قبر سے متوسّل ہوا کرتے.[3]

ابن خزیمہ اور ابن حبّان امام رضا علیہ السلام سے توسّل کیا کرتے اور اپنی حاجات کی برآوری کے لئے امام عالی مقام سے استغاثہ کرتے.

۔ احمد بن حنبل شافعی سے متوسّل ہوا کرتے.

۔شافعی اپنی حاجات پوری کروانے کے لئے ابو حنیفہ سے متوسّل ہوتے؛

۔اہل سمرقند بخاری کی قبر پر بارش کی دعا کیا کرتے

۔حضرت عائشہ مسلمانوںکو یہ حکم دیتیں کہ بارش کے لئے قبر رسول ﷺ پر جا کر توسّل اور

1۔وفیات الأعیان 4: 272؛ سیر اعلام النبلاء 17: 215.

2۔مرآۃ الجنان 4: 357.

3۔تاریخ بغداد1: 120.

ان سے استغاثہ کریں.

صحابہ کرام اور اہل سنّت کے بزرگ علماء اور عوام الناس ؛ انبیاء وصحابہ اور صالح افراد کی قبور پر جاکر استغاثہ کیا کرتے.

کیا واقعا ان تمام ترتاریخی دلائل و شواہد کے باوجود ابن تیمیہ میں اتنی جرأت ہے کہ وہ ان افراد پر شرک وکفر کی مہر لگائے ؟

شیخ سلامہ عزامی نے ابن تیمیہ کے افکار کے بارے میں بہت زیبا جملہ بیان فرمایا ہے وہ کہتے ہیں:

یہاں تک کہ ابن تیمیہ نے پیغمبر ﷺ کی ذات کے بارے میں بھی جسارت کی،جہاں وہ کہتا ہے : جو شخص پیغمبر ﷺ کی زیارت کی نیّت سے سفر کرے تو اس نے گناہ کیا ہے اور جو کوئی پیغمبر ﷺ کو ان کی وفات کے بعد پکارے اوران سے استغاثہ کرے تو اس نے شرک کیا.

ابن تیمیہ نے ایک مقام پر اسے شرک اصغر اور دوسرے مقام پر شرک اکبر قرار دیا ہے جبکہ استغاثہ کرنے والا شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خالق حقیقی اور مؤثر واقعی خداوند متعال کی ذات ہے اور پیغمبر ﷺ صرف واسطہ ہیں حاجات کی بر آوری کے لئے.اس لئے کہ خدا نے انہیں بھلائی کا چشمہ قرار دیا ہے اور وہ ان کی شفاعت اور دعا کو قبول کرتا ہے.اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے.[(1)]

ہاں ! ابن تیمیہ پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد انہیںپکارنے کو شرک سمجھتا ہے جبکہ ابو بکر کے زمانہ میں مسیلمہ کذّاب کے ساتھ جنگ میں لشکر اسلام کا نعرہ یا محمداہ! تھا.

1ـ فرقان القرآن : 133؛ الغدیر5: 155.

2ـ البدایۃ والنھایۃ6: 326.

5۔زیارت قبور

وہابیوں کے نزدیک زیارت رسول ﷺ

اس میں شک نہیں ہے کہ قرآن وسنت کی رو سے پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت ایک شرعی اور پسندیدہ عمل ہے پوری تاریخ اسلام میں مسلمان اسی پر عمل پیرا رہے ہیں اور اس طرح مادی ومعنوی کمالات سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں.

جبکہ ابن تیمیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا حرام ہے اور باقی قبور کی زیارت بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی. ابن تیمیہ نے اس فتوی کے لئے حدیث (شدّ الرّحال) کو دلیل قراردیا ہے. یہ حدیث قسطلانی نے ارشاد الساری [1] اور ابن حجر عسقلانی نے الجوہر المنظّم میں نقل کی ہے.

1۔ارشاد الساری 2: 329.

اس نظریے کا جواب

ہم سب سے پہلے حکم شرعی کی چار دلیلوں (قرآن، سنت، صحابہ کرام کی سیرت اور عقل) کے ذریعہ سے ابن تیمیہ کے نظریہ کے باطل ہونے کو ثابت کریں گے اور پھر حدیث شدّ الرّحال)) کی تحقیق اور اس پر اشکال کرتے ہوئے اس سے لئے جانے والے مفہوم کے نادرست ہونے کو بیان کریں گے. اور یہ ثابت کریں گے کہ چار دلیلوں کی رو سے زیارت ایک شرعی عمل ہے.

1۔ قرآن کی نظر میں

خداوند متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے: (ولو أنّھم اذ ظلموا أنفسھم جاؤوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرّسول لوجدوا اللہ توّابا رحیما)

ترجمہ: اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتا تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ کرنے والا اور مہربان پاتے. [1]

اس آیت کریمہ کی رو سے زیارت کا معنی جس کی زیارت کی جارہی اس کے پاس حاضر ہونا ہے؛ چاہے استغفار کی خاطر ہو یا کسی اور قصد سے. جب حیات رسول ﷺ میں اس عمل کا پسندیدہ ہونا ثابت ہوگیا تو ان کی رحلت کے بعد بھی اسی طرح پسندیدہ ہوگا جیسا کہ ہم شفاعت کی بحث میں دلائل وشواہد کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رحلت کے بعد بھی عالم برزخ میں زندہ ہیں اور زائر کے سلام کو سنتے ہیں اور اس کے اعمال ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں.

2۔ احادیث کی نظر میں

خود پیغمبر ﷺ سے ان کی قبر مطہر کی زیارت اور اس کی تعظیم کے بارے میں بہت زیادہ روایات بیان ہوئی ہیں۔اور اہل سنت کے علمائے رجال نے ان تمام راویوں کی تائید کی ہے ان معتبر احادیث سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ زیارت کے بارے میں نقل کی گئی تمام تر روایات واحادیث کو جعلی قرار دینا پیغمبر ﷺ پر بہت بڑی جھوٹی نسبت دینے کے مترادف ہے. اب ہم ان احادیث میں سے چند ایک کو بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں:

پہلی حدیث:

اہل سنت کی متعدد کتابوں میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی

جو شخص میری قبر کی زیارت کرے تو مجھ پر واجب ہے کہ اس کی شفاعت کروں.

بہت سے حفاظ و محدثین نے اس حدیث کو نقل کیا ہے جن میں سے ابن ابی الدنیا ، ابن خزیمہ ، دار قطنی ، دولابی ، ابن عساکر اور تقی الدین سبکی و....ہیں.[(1)]

دوسری حدیث:

عبد اللہ بن عمر ایک مرفوع روایت (اہل سنت کے ہاں مرفوع روایت سے مراد صحیح اور معتبر روایت ہے.) میں بیان کرتے ہیںکہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

((من جائنی زائرا لا تعمله لا تحمله الاّ زیارتی کا ن حقّا علیّ أن أکون له شفیعا یوم القیامة

جو شخص فقط میری زیارت کی نیت سے میرے پاس آئے تو میرے لئے ضروری ہے کہ روز قیامت اس کی شفاعت کروں.

یہ حدیث اہل سنت کی سولہ کتب میں بیان کی گئی ہے اور اسکے راویوں میں سے طبرانی ، حافظ بن سکن بغدادی،دار قطنی اور ابو نعیم اصفہانی کا نام لیا جاسکتا ہے.[(2)]

تیسری حدیث:

عبداللہ بن عمر ایک اور مرفوع روایت میں بیانکرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

من حجّ فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی

جس نے حانہ کعبہ کا حج کیا اور میری رحلت کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو.

یہ حدیث اہل سنت کی پچیس کتب میں نقل ہوئی ہے جس کے راویوں میں سے شیبانی ، ابویعلی ، بغوی ، ابن عدی و... ہیں.[1]

چوتھی حدیث:

عبد اللہ بن عمر مزید ایک مرفوع روایت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

من حجّ البیت ولم یزرنی فقد جفانی

جو شخص خانہ کعبہ کا حجّ کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر جفا کی.

اس حدیث کو بہت سے حفاظ و محدثین نے نقل کیا ہے جن میں سے سمہودی ، دارقطنی اور قسطلانی اور دیگر مؤلفین ہیں.[2]

1۔ المعجم الکبیر 12: 406؛ سنن دار قطنی 2: 278.

2۔ نیل الأوطار 5: 180؛ المصنف عبدالرزاق 3: 569؛ المواہب اللدنیۃ 3: 404.

3۔ صحابہ کرام کی سیرت

زیارت کے جائز ہونے کی تیسری دلیل پیغمبر ﷺ کے صحابہ کرام کی سیرت اوران کا کردار ہے ایک روایت میں نقل کیا گیا ہے کہ جب عمر بن خطاب فتوحات شام سے مدینہ منورہ واپس پلٹے توسب سے پہلے مسجد میں گئے اور رسول خدا ﷺ پر سلام کیا.[(1)]

اس واقعہ کو فتوح الشام میں یوں نقل کیا گیا ہے: جب عمر نے اہالیان بیت المقدس کے ساتھ صلح کی تو کعب الأحبار ان کے پاس آیا اور اسلام قبول کرلیا. عمر اس کے اسلام لانے سے خوش ہوئے اور اس سے کہا: کیا تم میرے ساتھ مدینہ جانا پسند کرو گے تاکہ وہاں قبر پیغمبر کی زیارت کرکے اس سے فیضیاب ہو سکو؟.

کعب الأحبار نے اسے قبول کرلیا اور جب عمر مدینہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قبر پیغمبر ﷺ پر جا کر ان پر سلام کیا.[(2)]

مزید ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بھی سفر سے واپس آتے تو قبر پیغمبر ﷺ پر جا کر کہتے: السلام علیک یا رسول اللہ ....[(3)]

عبداللہ بن عمر ہمیشہ قبر پیغمبر ﷺ کے کنارے کھڑے ہو کر آنحضرت پر سلام بھیجا کرتے.[(4)]

1۔ شفاء السقام: 144؛ یاد رہے کہ یہاں پر ہماری بحث جدلی ہے جبکہ ہمارے نزدیک فقط سیرت معصوم حجت ہے چاہے وہ صحابی ہو یا نہ ہو.

2۔ فتوح الشام 1: 244.

3۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1340.

4۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1340.

ایک اورروایت میں پڑھتے ہیں کہ ابن عون کہتے ہیں: ایک شخص نے نافع سے پوچھا : کیا عبداللہ بن عمر قبر پیغمبر پر کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجا کرتے ؟ تونافع نے کہا: ہاں، میں نے اسے ایک سو یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ دیکھا کہ قبر پیغمبر ﷺ کے کنارے کھڑے ہو کر کہتے : سلام ہو اللہ کے رسول پر.(1)

حافظ عبدالغنی اور دیگر نے کہا ہے: حضرت بلال نے پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد فقط ایک بار اذان کہی اور وہ بھی اس وقت جب آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئے تھے.(2)

تقی الدین سبکی کہتے ہیں: پیغمبر ﷺ کی زیارت کے جائز ہونے پر ہماری دلیل حضرت بلال کا خواب نہیں ہے بلکہ ان کا عمل ہے. یہ عمل حضرت عمر کے دور خلافت میں اتنے سارے صحابہ کرام کی موجودگی میں انجام پایا. اور یہ امر ان پر پوشیدہ بھی نہیں تھا .اسی لئے انہوں نے حضرت بلال پر کوئی اعتراض نہیں کیا.(3)

1۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1340.

2۔ قاموس الرجال 2: 398. البتہ تاریخ میں جو چیز ثابت ہے وہ یہ کہ حضرت بلال نے آنحضرت ﷺ کے بعد دو بار مدینہ میں اور ایک بار شام میں اذان کہی.

3۔ شفاء السقام : 142، باب سوم.

4۔ عقل کی رو سے

زیارت کے جواز کے لئے عقلی دلائل سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ جسے خداوند متعال نے عظمت و بزرگی عطا کی ہے اس کی تعظیم کی جائے اور زیارت بھی ایک طرح کی تعظیم ہے پس پیغمبر ﷺ کی زیارت جو آنحضرت ﷺ کا احترام شمار ہوتا ہے یہ شعائر الٰھی میں سے اور ایک پسندیدہ عمل ہے اگرچہ دشمنان اسلام اسے پسند نہیں کرتے.

وہابیوں کی دلیل کے بارے میں تحقیق

اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ وہابی پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے حرام ہونے پر بخاری و مسلم میں منقول حدیث سے استدلال کرتے ہیںکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: لا تشدّ الرّحال الاّ الی ثلاثۃ : المسجد الحرام ومسجدی ومسجد الأقصیٰ

تین مکانوں کے علاوہ سفر کرنا حرام ہے: مسجد الحرام، مسجد النبی، مسجد الأقصیٰ.[1]

محمد بن عبد الوہاب اس حدیث سے غلط مفہوم لیتے ہوئے کہتا ہے:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت مستحب ہے لیکن مسجد کی زیارت اور اس میں نماز کے قصد سے سفر کیا جائے نہ کہ قبر پیغمبر کی زیارت کے قصد سے.

محمد بن عبد الوہاب نے اس حدیث سے استنا د کرتے ہوئے زیارت قبور کو حرام قرار دیا ہے.

ہم اس حدیث کی تحقیق کے بارے میں کہینگے کہ عربی قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اس حدیث کے صحیح معنیٰ کو سمجھنے کے لئے کلمہ حصر (الاّ) سے پہلے ایک لفظ کو محذوف قرار دینا ہوگا اور ایسی صورت میں دو احتمال سامنے آئیں گے:

1۔ لفظ محذوف مسجد ہے اور ایسی صورت میں اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ نماز ادا کرنے کے لئے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر مت کریں.

2۔ لفظ محذوف مکان ہے کہ ایسی صورت میں حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ ان تین مساجد

1۔ صحیح بخاری 1: 398، ح 1132؛ صحیح مسلم 2: 1014.

کے علاوہ کسی اور مکان کی طرف سفر مت کریں.

پہلے احتمال کے مطابق کلمہ حصر الاّ سے جو معنٰی سمجھا جا رہا ہے وہ حصر اضافی ہے یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک میں نفی واثبات کا محور مسجد ہے اور قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ابتداء ہی سے اس حدیث کے موضوع سے خارج ہے. اس لئے کہ حدیث شریف یہ کہہ رہی ہے کہ جس شہر میں جامع مسجد موجود ہو تو وہاں سے سفر کر کے دوسرے شہر جانا اور وہاں کی جامع مسجد یا غیر جامع میں نماز پڑھنے پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ دونوںجگہ مسجد کی اہمیت اور اس میں نماز ادا کرنا برابر ثواب رکھتا ہے. لیکن مذکورہ بالا تین مسجدیں اس موضوع سے خارج ہیں اس لئے کہ وہاں پہ نماز ادا کرنا زیادہ ثواب کا حامل ہے .

دوسری جانب تبادر عرفی (عرف عام میں کسی لفظ کے سننے سے خاص معنٰی کا ذہن میں آنا) اور حکم (شدّ الرّحال) وموضوع کے درمیان تناسب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ لفظ (مسجد) ہی کو محذوف سمجھا جائے لہذا یہی احتمال درست ہوگا .

جبکہ دوسرے احتمال کے مطابق ۔ جو ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروںکے نظریہ سے مطابقت رکھتا ہے ۔ کلمہ الاّ سے جو حصر سمجھا جا رہا ہے وہ حصر حقیقی ہے یعنی ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مکان کی طرف مت سفر کریں. جبکہ تمام اسلامی فرقوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ تجارت ، طلب علم ، جہاد، علماء کی زیارت یا سیر وسیاحت کے قصد سے سفر کرنا کوئی ممانعت نہیں رکھتا.

اس لحاظ سے لفظ مکان کو محذوف ماننا درست نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ سفر کرنا جائز نہ ہو اور بدیہی ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجماع و اتفاق کے خلاف ہے.

پس اس حدیث میں الاّ سے پہلے لفظ (مسجد) کو محذوف ماننا پڑے گا یعنی لا یقصد بالسفر الی المسجد الاّ المساجد الثلاثة .اوراس صورت میں حدیث شریف میں کہیں بھی مقامات مقدّسہ اور خاص طورپر قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے حرام ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا .

قسطلانی نے بھی (ارشاد الساری)میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے.[1]

علاوہ ازیں اگر لفظ محذوف مسجد ہو تو پھر بھی اس حدیث مبارکہ کے مضمون پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ پہلے احتمال کے مطابق حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ فقط انہی تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے اور ان کے علاوہ نماز ادا کرنے کے لئے کہیں سفر کرکے جانا جائز نہیں ہے جبکہ روایات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا جایا کرتے تھے جبکہ یہ مسجد ان تین مساجد میں سے نہیں ہے. لہذا اس اعتبار سے مسجد قبا کی طرف سفر کرنا بھی حرام ہونا چاہیئے جبکہ کوئی بھی مسلمان ایسی بات کرنے کو تیار نہیں.

ایک ورایت میں بیان ہوا ہے کہ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ہفتہ کے دن پیدل یا سوار ہوکر مسجد قبا جایا کرتے .

اسی طرح عبد اللہ بن عمر خود بھی اس پر عمل کیا کرتے .[2]

1۔ ارشاد الساری 2:332.

2۔ صحیح بخاری 2: 399، ح 1135.

ابن تیمیہ کے توہمات اور علمائے اہل سنت کا موقف

گذشتہ مطالب سے یہ روشن ہو گیا کہ ادلّہ اربعہ کی بناء پر زیارت ایک شرعی عمل ہے اور اس بارے میں ابن تیمیہ کے افکار کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے البتہ علمائے اہل سنت نے اس فاسد عقیدے کے بارے میں اپنا موقف بیان کیا ہے:

1۔ قسطلانی کہتے ہیں: ابن تیمیہ سے جو مسائل نقل ہوئے ہیں ان میں سے بدترین مسئلہ اس کا قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے منع کرنا ہے[1]

2۔ نابلسی کہتے ہیں: یہ پہلی مصیبت نہیں ہے کہ جس میں ابن تیمیہ اور اس کے پیرو کار گرفتار ہوئے ہوں اس لئے کہ اس نے بیت المقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو بھی گناہ قرار دیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولیائے الہی میں سے کسی کے وسیلے سے خداوند متعال سے توسّل کرنے سے بھی منع کیا ہے.

اس طرح کے فتوے جو اس کی کج فہمی کی دلیل ہیں یہ باعث بنے ہیں کہ علماء ابن تیمیہ اور اس کے پیرو کاروں کے سامنے قاطعانہ قیام کریں یہاں تک کہ حصنی دمشقی نے مستقل طور پر ایک کتاب لکھ کر اسے ردّ کیا اور اس کے کفر کو صراحتا بیان کیا.[2]

1۔ ارشاد الساری 2: 329.

2۔ الحضرۃ الانسیۃ فی الرحلۃ القدسیۃ: 129.

3۔ غزالی کہتے ہیں: جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں انہیں دیکھ کر تبرک حاصل کیا کرتا اسے چا ہیئے کہ ان کی رحلت کے بعد ان کی زیارت کر کے تبرّک حاصل کرے. (اسی طرح) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے اور حدیث لا تشدّ الرحال اس کے لئے مانع نہیں بن سکتی.[1]

4۔ عزامی شافعی کہتے ہیں: ابن تیمیہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی جسارت کی ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا گناہ ہے...[2]

5۔ ہیثمی شافعی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے جواز کو ادلّہ کے ساتھ ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے اور اعتراض کرے کہ تم نے کس طرح زیارت کے جواز پر علماء کے اتفاق کو دلیل قرار دیا ہے جبکہ ابن تیمیہ اس کا انکار کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ابن تیمیہ کون ہے؟ اور اسکی کیا اہمیت ہے کہ اسے اتنا مقام دیا جائے یا دینی و اسلامی مسائل میں اسے مرجع کے طور پر پہچانا جائے تاکہ اس کے افکار علماء کے اجماع میں خلل ڈال سکیں. کئی ایک مسلمان دانشوروں نے اس کے ضعیف دلائل پر اعتراض کیا ہے اور اس کی احمقانہ لغزشوں اور نامناسب تخیّلات کو آشکار کیا ہے.[3]

مختصر یہ کہ اس بارے میں اہل سنت کے حفاظ ومحدثین نے جو روایات نقل کی ہیں وہ استفاضہ یا تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں. علاوہ ازیں صحابہ کرام کا عمل اور ان کی سیرت نیز حضرت بلال کا رسول خدا ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا جو تمام صحابہ کی موجودگی میں انجام پایا اور اگر صحابہ کرام نے نہ بھی دیکھا ہوتا پھر بھی ان تک یہ بات پہنچ جاتی لیکن اس کے باوجود کسی ایک نے بھی انکے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا.

1۔ احیاء علوم الدین 2: 247.

2۔ فرقان القرآن: 133؛ الغدیر 5: 155.

3۔ الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر المکرّم: 12؛ الغدیر 5: 116؛ کشف الارتیاب: 369.

اسی طرح حضرت عمر نے کعب الأحبار کو دعوت دی کہ وہ پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرے۔جبکہ صحابہ کرام میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔ قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ زیارت کے جواز پر جو دلیلیں بیان کی گئی ہیں یہ محکم ترین اور قوی ترین ادلّہ ہیں جو خاص پر آنحضرت ﷺ کی زیارت کے جائز بلکہ مستحب ہونے کو بیان کر رہی ہیں اس لئے کہ بعض روایات میں زیارت کا حکم دیا گیا ہے اور اکثر علماء نے اس حکم سے مراد استحباب لیا ہے یہاں تک کہ ابن حزم اندلسی نے اس سے وجوب سمجھا ہے کہ ہر مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا واجب ہے۔[1]

مقامات مقدسہ اور قبور کی زیارت

گذشتہ مطالب پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت سے متعلق تھے اب ہم بقیہ قبور کی زیارت کے جواز کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔ ان قبور کی زیارت کے جواز میں بھی قبر پیغمبر ﷺ کی زیارت کی طرح کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خود آنحضرت ﷺ قبور کی زیارت کے لئے جایا کرتے اور مسلمانوں کو اس امر کی ترغیب دلاتے۔ نیز آنحضرت ﷺ اپنی مادر گرامی حضرت آمنہ بنت وہب کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے اور مسلمانوں کا بھی یہی طریقہ کار رہا کہ دوسرے مسلمانوں کی قبور کی زیارت کے لئے جاتے۔

البتہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے روایات بھی نقل ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں:

پہلی حدیث: رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

ائتواموتاکم فسلّموا علیھم أو فصلّوافانّ بھم عبرة.[2]

اپنے مردوں کے پاس جاؤ اور ان پر سلام یا درود بھیجو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے باعث عبرت ہیں۔

1۔ التاج الجامع للأصول 2: 382.

2۔ اخبار مکہ 2: 52.

6۔ عورت اورزیارت قبور

عورتوں کا قبور کی زیارت کرنا

زیارت کی بحث میں پیش آنے والے مسائل میں سے ایک خواتین کا قبور کی زیارت کرنا ہے سنن (بخاری و مسلم کے علاوہ)کے مؤلفین نے اس بارے میں روایات نقل کی ہیں ایک روایت میں نقل کیا ہے: کہ رسو لخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ زائرات القبور

خداوند متعال نے زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے.[1]

وہابی اس حدیث سے استناد کرتے ہوئے عورتوں پر قبور کی زیارت کو حرام قرار دیتے ہیں.

وہابی نظریہ کا ردّ

ہم اس نظریہ ۔جو ایک توہم کے سوا کچھ نہیں۔ کا جواب چار طرح سے دے سکتے ہیں:

اوّل: مندرجہ بالا حدیث، حدیث بریدہ سے نسخ ہو جائے گی.بریدہ کہتے ہیں رسول خدا ﷺ نے فرمایا: نھیتکم عن زیارۃ القبور،ألا فزوروا

میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا آگاہ ہو جاؤ! (آج کے بعد) ان کی زیارت کیا کرو.

حاکم نیشاپوری اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے. اسی طرح مندرجہ بالا حدیث اس حدیث مبارکہ سے بھی متعارض ہے جسے حضرت عائشہ نے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں:

نھی رسول اللہ عن زیارۃ القبور ثمّ أمر بزیارتھا [2]

1۔ المصنف عبد الرزاق3: 569.

2۔ السنن الکبری 4: 78.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبور کی زیارت سے نہی فرمائی لیکن اس کے بعد ان کی زیارت کا حکم فرمایا.

اس حدیث کو ذہبی نے المستدرک علی الصحیحین کے حاشیہ پر نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے.

دوم: مندرجہ بالا حدیث حضرت عائشہ کی سیرت اور ان کے عمل سے بھی متعارض ہے اس لئے کہ وہ روایت جسے تھوڑی دیر پہلے نقل کر چکے اس کے مطابق وہ اپنے بھائی عبد الرحمن کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتیں.

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے بھائی عبد الرحمن ۔ جسے حُبشی (جنوب مکہ) میں ناگہانی موت آئی ۔ کی زیارت کی.

اسی طرح کہتے ہیں: ایک دن میں نے حضرت عائشہ کو قبرستان جاتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا: کیا پیغمبر ﷺ نے قبور کی زیارت سے منع نہیں فرمایا. تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ہاں، منع کیا تھا لیکن دوبارہ اس کا حکم دیا.[1]

کیا حضرت عائشہ اپنے اس عمل کے ذریعہ سے رسول خدا ﷺ کی مخالفت کا ارادہ رکھتی تھیں؟ تاکہ (نعوذ باللہ) لعنت خدا کی مستحق قرار پاسکیں جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا؟

سوم: مندرجہ بالا حدیث حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی واضح سیرت اور ان کے عمل کے مخالف ہے اس وہ پیغمبر ﷺ کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور ہر جمعہ کے دن یا ہر ہفتے میں دوبار حضرت حمزہ علیہ السلام اور دیگر شہدائے اُحد کی زیارت کے لئے جایا کرتیں.

کیا یہ درست ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اپنے والد گرامی کی سنت کی مخالفت کرنا چاہتی تھیں؟

1۔ السنن الکبریٰ 4: 131.

یا یہ کہ شہزادی اپنے باپ کی سنت سے آگاہ نہیں تھیں ؟

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اہل بیت میں سے ہیں اور گھر کے اندر جو کچھ ہوتا ہے گھر والے اس سے بہتر آگاہ ہوتے ہیں.اس کے علاوہ وہ اپنے والد گرامی کی زندگی میں شہدائے اُحد کی زیارت کے لئے جایا کرتیں اور سات سال تک زمانہ پیغمبر ﷺ میں ان کی یہی سیرت رہی. پس کیسے پیغمبر ﷺ نے انہیں اس عمل سے نہ روکا ؟

اسی طرح شہزادی پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد انکی زیارت کے لئے تشریف لے جاتیں.جیسا کہ امیرالمؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اپنے پدر بزرگوار کی قبر پر کھڑی ہوئیں ، مٹھی بھر خاک اُٹھا کر آنکھوں پر ڈالی اور گریہ کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے...

اگر واقعا قبروں کی زیارت عورتوں پر حرام تھی تو کیسے امیر المؤمنین علیہ السلام یا صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کو اس عمل سے منع نہ فرمایا ؟

چہارم: ابن تیمیہ سے پہلے اور بعد کے علمائے اہل سنت نے عورتوں کے قبور کی زیارت کرنے کے جواز کا فتوی دیا ہے اور اس حدیث میں لعنت کی وجہ عورتوں کا اپنے عزیزوں کی موت کی مصیبت پر صبر نہ کرنا بیان کیا ہے. لیکن اگر کوئی عورت نامحرموں کے سامنے چیخ و پکار نہیں کرتی بلکہ صبر کرتی ہے تو اس کے قبر کی زیارت کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے.

البتہ بعض علمائے اہل سنت جیسے منصور علی ناصف نے اپنی کتاب التاج الجامع للأصول ، ملاّ علی قاری، نووی ، قرطبی، قسطلانی، ابن عبد البرّ، ابن عابدین اور ترمذی نے اس حدیث کو اسی صورت پر منطبق کیا ہے یا اسے ضعیف قرار دیا ہے چونکہ اس کے تینوں واسطے جو حسان بن ثابت ، ابن عباس یا ابو ہریرہ تک پہنچتے ہیں. ان میں ایسے راوی موجود ہیں جنہیں اہل سنت کے علمائے رجال نے ضعیف قرار دیا ہے.اور شاید اسی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتب میں ذکر نہیں کیا.

ان اعتراضات و اشکالات کے علاوہ فقہاء نے بھی اس حدیث کی شرح میں مردوں اور عورتوں کے قبور کی زیارت کے مستحب ہونے کا فتوی دیا ہے.[1]

1۔ التاج الجامع للأصول 2: 381؛ مرقاۃ المفاتیح 4: 215؛ التمهید 3: 234.

7-قبروں پر دعا کرن

قبر پیغمبر ﷺ اور دیگر قبور کے پاس دعا کرنا اور نماز پڑھنا

جو ادلّہ بیان کی جائیں گی ان کے مطابق قبر مطہرّ پیغمبر ﷺ اور دیگر قبور کے پاس نماز پڑھنا اور دعا کرنا ایک جائز اور شرعی عمل ہے. طول تاریخ میں مسلمانوں کا یہی طریقہ کا رہا ہے اور اب بھی ہے. جبکہ اس بارے میں وہابیوں کا نظریہ باقی نظریات کے مانند تمام مسلمانوں کے نظریہ کے مخالف ہے.

وہابیوں کا نظریہ

وہابی قبور کے پاس نماز پڑھنے اور دعا کرنے سے منع کرتے ہیں اور اسے شرک وکفر سمجھتے ہیں اس بارے میں ابن تیمیہ کہتا ہے:

صحابہ کرام جب بھی قبر پیغمبر ﷺ کے پاس آتے تو ان پر سلام بھیجتے اور جب دعا کرنے لگتے تو قبر نبوی کی جانب سے رخ موڑ کر قبلہ کی جانب منہ کر خدا سے دعا کرتے اور باقی قبور پر بھی اسی طرح کرتے.... .

اسی دلیل کی بناء پر گذشتہ پیشواؤں میں سے کسی ایک نے قبور یا اولیاء کے مقدس مقامات پر نماز ادا کرنے کے مستحب ہونے کے بارے میں نہیںلکھا ہے. نیز یہ بھی نہیں کہا کہوہاں پر نماز ادا کرنا یا دعا کرنا دوسرے مقامات سے افضل ہے بلکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ گھروں یا مساجد میں نماز ادا کرنا اولیاء وصالحین کی قبور کے پاس ادا کرنے سے افضل وبہتر ہے ،چاہے ان قبور کو مقدس مکان کا نام دیا جائے یا نہ.[1]

اس توہّم کا جواب

ہم ابن تیمیہ کے اس بے بنیاد نظریہ کا جواب چند طریقوں سے دے سکتے ہیں :

اوّل:روایات عامہ یہ بیان کر رہی ہیں کہ کسی بھی مکان میں نماز اور دعا جائز ہے پس قبر پیغمبر ﷺ اور دیگر انبیاء و صالحین کی قبور پر بھی نماز و دعا جائز ہوگی ہم ان عمومات واطلاقات کی بناء پر اس کے جواز کا حکم لگائیں گے .

دوم: دین مبین اسلام سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ مکان جو شریعت کی نظر میں محترم و مکرم ہے وہاں پہ نماز ودعا اور مطلقا عبادات بھی فضیلت رکھتی ہیں .

دوسری جانب ہر مکان کا احترام اسکے مکین سے ہوتا ہے اور ہر قبر کا مقام اس میں دفن ہونے

سوم: یہ آیت : (ولو أنّهم اذ ظلموا أنفسهم جاؤوک فاستغفرواالله ...)[2]

ترجمہ: اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے...

1ـ رسالہ زیارۃ القبور: 28.

2ـ نساء: 64.

اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قبر پیغمبر ﷺ کے پاس دعا کرنا فضیلت کا باعث ہے اس لئے کہ لفظ جاؤوک آنحضرت ﷺ کی حیات وممات دونوں کو شامل ہے. اور آنحضرت ﷺ کا احترام ان کی حیات وممات میں ایک جیسا ہے.

قابل ذکر یہ ہے کہ امام مالک نے منصور کے ساتھ ملاقات میں اسی مطلب کی وضاحت کی. [1]

شمس الدین جزری کہتے ہیں: اگر قبر پیغمبر کا پاس دعا قبول نہیں ہوگی تو پھر کونسا مکان ہے جہاں دعا قبول ہوگی ؟!

چہارم: حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی سیرت وہابیوں کے نظریہ کے بالکل مخالف ہے اس لئے وہ ہر جمعہ کو اپنے چچا حمزہ کی قبر کی زیارت کے لئے جاتیں اور وہاں پہ نماز ادا کرتیں اور گریہ کیا کرتیں.[2]

وہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا جن کے غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہوتا ہے اور ان کی خوشنودی سے خدا خوشنود ہوتا ہے[3] کیا سنّت پیغمبر ﷺ ان پر مخفی تھی ؟

کیا قبور کی زیارت کر کے انہوں نے سنت رسول ﷺ کی مخالفت کی؟ کیا واقعا یہ بات ابنتیمیہ پر مخفی تھی کہ وہ یہ ادّعا کر رہا کہ گذشتہ پیشواؤں میں سے کسی نے قبور یا بقعہ کے پاس نماز پڑھنے کے استحباب کا فتویٰ نہیں دیا ؟!

پنجم: زمانہ رسول ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں کی سیرت یہ رہی ہے کہ وہ صالحین ومؤمنین کی قبور کے پاس نماز بھی ادا کرتے اور وہاں پہ دعا بھی کیا کرتے. جس کے چند ایک نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

1ـ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1376؛ المواهب اللدنیۃ 3: 409.

2ـ المصنّف 3: 572؛ المستدرک علی الصحیحین 1: 533.

3ـ فتح الباری 7: 131

1۔ عمر بن خطاب کا طریقہ کار:

طبری ریاض النضرۃ میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ جب حضرت عمر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حج بجالانے کے لئے نکلے تو راستے میں ایک بوڑھے شخص نے ان سے مدد طلب کی. جب حج سے واپس پلٹنے لگے تو ابواء کے مقام پر اس شخص کے بارے میں سوال کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو فوت ہو چکا ہے. جیسے ہی یہ خبر سنی بڑے بڑے قدم رکھتے ہوئے اس کی قبر پہ پہنچے. اس کے لئے نماز ادا کی اور قبر کو گلے لگا کر گریہ کیا. (1)

2۔ امام شافعی کا قول:

امام شافعی کہتے ہیں: میں ابو حنیفہ کی قبر سے تبرّک حاصل کرتا ہوں، جب مجھ پر کوئی مشکل آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر جا کر خداوند متعال سے حاجت طلب کرتا ہوں. (2)

3۔ قبر معروف کرخی:

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ زہری کہتے ہیں:

معروف کرخی کی قبر کے پاس حاجات کا پورا ہونا تجربہ شدہ ہے اسی طرح کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی قبر کے پاس ایک سو مرتبہ (قل ھو اللہ أحد) کی تلاوت کرے اور پھر خدا سے حاجت طلب کرے تو اسکی حاجت پوری ہوگی. (3)

1۔ ریاض النضرۃ 2: 230.

2۔ صلح الأخوان: 83؛ تاریخ بغداد 1: 123.

3۔ تاریخ بغداد 1: 122.

ابراہیم حربی کہتے ہیں: معروف کرخی کی قبر زہری کے لئے تجربہ شدہ پناہ گاہ تھی. ذہبی اس بارے میں کہتے ہیں: اس قبر پر درماندہ افراد کی دعا قبول ہوتی ہے چونکہ مبارک بقعوں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے. [1]

احمد بن فتح کہتے ہیں: میں نے بشر تابعی سے معروف کرخی کے بارے میں سوال کیا تو اس نے جواب میں کہا: جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو تو ان کی قبر پر جاکر دعا کرے ان شاء اللہ اس کی دعا قبول ہوگی. [2]

ابن سعد سے اس بارے میں یوں نقل کیا گیا ہے: معروف کرخی کی قبر سے بارش طلب کی جاتی ہے ان کی قبر آشکار ہے اور لوگ دن رات اس کی زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں. [3]

4۔ قبر شافعی:

جزری کہتے ہیں: شافعی کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے. [4]

5۔ قبر بکراوی حنفی (ت 403):

وہ قرافہ میں دفن ہوئے اور ان کی قبر ایک معروف زیارت گاہ ہے. لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کی قبر کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے. [5]

1۔ سیر اعلام النبلاء 9: 343

2۔ صفۃ الصفوۃ 2: 324.

3۔ طبقات الکبریٰ 1: 27.

4۔ غایۃ النہایۃ فی طبقات القرائ 2: 97

5۔ الجواہر المضیئۃ 1: 461.

6۔ قبر حافظ عامری (ت403):

نقل کیا گیا ہے کہ لوگ رات کے وقت ان کی قبر پہ جمع ہوتے ہیں ، ان کے لئے قرآن کی تلاوت اور ان کے حق میں دعا کرتے ہیں.[(1)]

7۔ قبر ابو بکر اصفھانی (ت406):

وہ نیشاپور کے اطراف میں حیرۃ کے مقام پر دفن ہوئے. ان کی بارگاہ وہاں پہ آشکار اور زیارتی مکان ہے. کہا گیا ہے کہ ان کی قبر سے باران رحمت کی دعا کی جاتی ہے اور دعا وہاں پہ قبول ہوتی ہے[(2)]

8۔ قبر نفیسہ خاتون:

سیدہ نفیسہ دختر ابو محمد، حسن بن زید امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے اور اسحاق بن امام صادق علیہ السلام کی زوجہ ہیں. ابن خلکان کہتے ہیں: وہ درب السباع مصر میں دفن کی گئیں اور ان کی قبر دعا کے مستجاب ہونے میں معروف ہے اور یہ ایک تجربہ شدہ امر ہے.[(3)]

ششم: اہل سنت کے بزرگ علماء جلال الدین سیوطی نے معراج پیغمبر ﷺ کی داستان اور ابن تیمیہ کے شاگرد ابن جوزیہ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد زیارت کے حرام ہونے کے عقیدہ مخالفت کی ہے.[(4)]

1۔ البدایۃ والنھایۃ 11: 351.

2۔ وفیات الأعیان 4: 272.

3۔ حوالہ سابق 5: 424.

4۔ کشف الارتیاب: 340، نقل از زاد المعاد.

ابن تیمیہ کا دوسرا فتویٰ

ابن تیمیہ نے ایک اور فتوی میں صحابہ کرام کی طرف نسبت دی ہے کہ وہ دعا کے وقت پیغمبر ﷺ کے سامنے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ ان کی قبر سے رخ موڑ کر قبلہ کی جانب منہ کرکے کھڑے ہوتے[1]

اس ادّعا کا جواب

ہم اس ادّعا کا جواب تین طرح سے دیں گے:

اوّل: ابن تیمیہ نے اس بارے میں صحابہ کرام میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا کہ کس صحابی نے دعا کرتے وقت اپنا منہ قبر سے پھیرا جبکہ اس کے ادّعا کے برعکس ثابت ہو چکا ہے.

عبداللہ عمر جو خود صحابی ہیں ابن تیمیہ کے نظریہ کے خلاف بیان کرتے ہیں: مستحبات میں سے ایک یہ ہے کہ انسان پیغمبر ﷺ کی قبر کے پاس دعا کرتے وقت قبر مبارک کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پشت کرکے کھڑا ہو.[2]

دوم: اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ انسان دعا کرتے وقت قبر کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو اس لئے کہ آیت کریمہ یہ فرما رہی ہے:

أينما تولّو افثمّ وجه الله [3]

1۔ رسالۃ زیارۃ القبور: 26.

2۔ فضل الصلاۃ علی النبی ؐ: 84، ح 101؛ کشف الارتیاب: 247و 340؛ الغدیر 5: 134.

3۔ سورہ بقرہ: 115.

سوم : فقہاء کا فتوی ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کے قول کے خلاف ہے. نمونہ کے طور پر چند فتاوی نقل کر رہے ہیں :

1۔ فتوائے امام مالک:

جب منصور نے امام مالک سے پوچھا کہ قبر پیغمبر ﷺ پر دعا کرتے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر کی طرف رخ کروں یا قبلہ کی طرف ؟

تو امام مالک نے جواب میں فرمایا: کس لئے قبر پیغمبر ﷺ سے روگردانی کرنا چاہتے ہو جبکہ وہ تو تمہارے اور تمہارے باپ آدم کے بھی قیامت تک وسیلہ ہیں ؟ پس قبر رسول و ﷺ کی طرف منہ کر ان سے شفاعت طلب کر، خدا انکی شفاعت قبول کرتا ہے ...[1]

یہ سوال وجواب واضح طور پر بتا رہا ہے کہ قبر پیغمبر ﷺ کے پاس دعا کرنا فضیلت کا باعث ہے اور اس میں کسی قسم کی تردید نہیں تھی لیکن جو چیز منصور جاننا چاہ رہا تھا وہ یہ تھی کہ کیا دعا کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا قبر مبارک کی طرف ؟[2]

2 ۔ فتوائے خفاجی :

خفاجی کہتے ہیں : شافعی اور عام علماء کا نظریہ یہ ہے کہ قبر پیغمبر ﷺ کے پاس دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف پشت اور قبر مطہّر کی طرف منہ ہونا چاہئے. اور ابو حنیفہ سے بھی یہی فتوی نقل ہوا ہے.[3]

1۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفیٰ 4: 1376؛ المواہب اللدنیۃ 3: 409؛ الفروق، صنہاجی 3: 59.

2 ۔ اشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ 2: 92؛ الغدیر 5: 135؛ کشف الارتیاب : 240و 255و 261.

3۔ شرح الشفاء 3: 517.

3۔ فتوائے محقق حنفی:

کمال بن حمام کہتے ہیں: ابو حنیفہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ دعا کے وقت قبلہ کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوتے جبکہ یہ قول مردود ہے اس لئے کہ عبداللہ بن عمر سے نقل ہوا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب سے پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آیا جائیاور قبلہ کی طرف پشت اور قبر مبارک کی طرف منہ کریں... اور ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بات درست ہے. کرمانی کا یہ کہنا کہ ابو حنیفہ کا مذہب اس مسئلہ میں اس کے علاوہ ہے یہ بات درست نہیں ہے. چونکہ پیغمبر ﷺ زندہ ہیں اور اپنے زائر کو دیکھتے ہیں. جس طرح اگر پیغمبر ﷺ قید حیات (ظاہری) میں ہوتے تو اپنے زائر کو جو قبلہ کی طرف پشت کئے ہوتا اس کو اپنے پاس بلاتے.[1]

4۔ فتوائے ابراہیم حربی:

وہ اپنی مناسک میں لکھتے ہیں: قبر پیغمبر ﷺ کے پاس دعا کرتے وقت اپنی پشت قبلہ کی جانب اور قبر مبارک کے درمیان میں کھڑے ہوں.[2]

5۔ ابو موسیٰ اصفہانی کا نظریہ:

ابو موسیٰ اصفہانی سے نقل ہوا ہے کہ مالک نے کہا: جو شخص قبر پیغمبر ﷺ پر آنا چاہے تو اسے چاہئے کہ قبلہ کی جانب پشت اور قبر مبارک کی طرف رخ کر کے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور دعا کرے.[3]

1۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1387؛ المغنی لابن قدامہ 3: 298؛ الشرح الکبیر 3: 495.

2۔ شفاء السقام: 169؛ شرح الشفاء 3: 517؛ کشف الارتیاب: 362.

3۔ المجموع 8: 201.

6۔ سمہودی کا نظریہ:

وہ کہتے ہیں: شافعی اور ان کے اصحاب وغیرہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: زائر کو چاہئے کہ قبر پیغمبر ﷺ پر کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف پشت اور ضریح مبارک کی طرف اپنا چہرہ کرے، نیز احمد بن حنبل کا بھی یہی نظریہ ہے۔[1]

7۔ سختیانی کی رائے:

ابو حنیفہ سے نقل ہوا ہے کہ وہ کہا کرتے: ایوب سختیانی قبلہ کی طرف پشت اور قبر پیغمبر ﷺ کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوئے اور گریہ کیا۔[2]

8۔ فتوائے ابن جماعہ:

ابن جماعہ کہتے ہیں: ابو حنیفہ کے فتوی کے مطابق زائر کو چاہئے کہ اسقدر قبر مطہّر پیغمبر ﷺ کا چکر کاٹے کہ پیغمبر ﷺ کے چہرہ اقدس کے سامنے آکھڑا ہو اور پھر آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجے۔

جبکہ کرمانی نے دوسرے کے بر عکس کہا ہے: زائر کو چاہئے کہ سلام کرنے کے لئے قبر کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو۔[3]

1۔وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1378.

2۔المعرفۃوالتاریخ 3: 97؛ کشف الارتیاب: 261.

3۔وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1378.

9 ۔ ابن منکدر کا نظریہ:

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں: میں نے ابن منکدر کو دیکھا کہ وہ مسجد پیغمبر ﷺ کے داخل ہونے کی جگہ نماز ادا کر رہے تھے. پھر وہاں سے اُٹھے اور تھوڑا چلنے کے بعد قبلہ کی طرف رخ کرکے کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ بلند کرکے دعا کی. اس کے بعد قبلہ سے منہ موڑا اور ہاتھوں کو ایسے بلند کیا جیسے شمشیر غلاف سے بلند کی جاتی ہے اور دعا کی اور مسجد سے نکلتے وقت بھی یہی عمل انجام دیا جیسے کسی کو خدا حافظی کی جاتی ہے.[1]

چہارم: اس میں کیا عیب ہے کہ انسان اس مکان میں جہاں پیغمبر ﷺ مدفون ہیں تبرّک کے طور پر نماز ادا کرے جیسا کہ اس پتھر پر نماز پڑھی جاتی جس پر حضرت ابراہیم کھڑتے ہوئے تھے اور یہ اس لئے ہے کہ وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کا نشان ہے جس کی وجہ سے وہ (پتھر) فضیلت و منزلت رکھتا ہے. خداوند متعال اس بارے میں فرماتا ہے:

(و اتّخذوا من مقام ابراهیم مصلّیٰ)[2]

ترجمہ: اور مقام ابراہیم کو مصلّی قرار دو.

یہ ایک بے بنیاد بات ہے چونکہ گذشتہ پیشواؤں میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی ہے جبکہ ابن تیمیہ یہ ادّعا کر رہا ہے کہ تمام گزشتگان نے اسے واضح طور پر بیان کیا ہے.

ابن تیمیہ کا ایک اور قول اور اس کا جواب

ابن تیمیہ کا ایک اور فتوی یہ ہے کہ وہ کہتا ہے:

گھر میں نماز ادا کرنا انبیاء و صالحین کی قبور کے پاس نماز ادا کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے[3]

1۔ سیر اعلام النبلاء 5: 358؛ تاریخ دمشق 56: 48.

2۔ سورہ بقرہ: 125.

3۔ وفاء الوفاء بأخبار المصطفٰی 4: 1378؛ الزیارۃ (ضمن مجموعۃ الجامع الفرید): 454.

اسکی دلیل کی تحقیق اور اس پر تنقید

وہابی قبور کے پاس نماز پڑھنے کے حرام ہونے پر چند احادیث سے استناد کرتے ہیں وہ نقل کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا :

لعن اللہ الیھود ! واتّخذوا قبور انبیائھم مساجد

خدا کی لعنت ہو یہودیوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنا لیا .

دوسری حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا :

اللّھمّ لا تجعل قبری وثنا یعبد ، اشتدّ غضب اللہ علی قوم اتّخذوا قبور انبیائھم مساجد. [1]

پروردگارا ! میری قبر کو بت قرار نہ دینا کہ اسکی عبادت کی جائے ، خداوند متعال اس قوم پر اپنا غضب سخت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد قرار دیا .

ہم اس دوسری حدیث کا چند جہات سے جواب دے رہے ہیں :

اوّل : یہ کہ اس حدیث کی سند میں اشکال ہے اس لئے کہ اس سند میں ایسے راوی موجود ہیں جنہیں اہلسنت کے علمائے رجال نے ضعیف قرار دیا ہے. [2]

ان راویوں میں سے ایک عبدالوارث ہے جسے علمائے رجال تائید نہیں کرتے اور نہ اس کے پیچھے نماز

1۔ مسند احمد 2: 246؛ موطأ امام مالک 1: 172.

2۔ میزان الاعتدال 4: 430؛ اور 2: 3.

پڑھا کرتے.

دوم: یہ کہ یہ حدیث ابن تیمیہ اور اسکے پیروکاروں کے نظریہ پر دلالت نہیں کررہی. اس لئے کہ وہ اس حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: قبور اور بقعوں کے پاس نماز پڑھنا، نیز ان پر مساجد بنانا جائز نہیں ہے .جبکہ حدیث کا ظاہر حبشہ کے کلیسوں رواج کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جب بھی یہودیوں کا کوئی نیک فرد مرتا تو وہ اس کی قبر پر کلیسا بنادیتے. اور وہاں تصویریں بنا کر لگاتے.

اس بناء پر جو انبیاء کی قبور کو مساجد بناتے ان کی سرزنش کی گئی ہے چونکہ مساجد میں تصاویر لگا کر ان کی پرستش کیا کرتے، ان کے لئے نماز ادا کرتے اور ان تصویروں اور قبور کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا کرتے.

واضح ہے کہ قبور پر مساجد بنانے سے نہی کرنے کی یہی وجہ ہے ورنہ اگر کوئی شخص کسی قبر پر مسجد بنائے لیکن قبلہ رخ ہو کر خدا کے نماز ادا کرے تو اس میں کیا عیب ہے .جیسا کہ آج بھی مسلمان مسجد نبوی شریف یا مسجد جامع بنو امیہ دمشق میں (کہ اس کے اندر حضرت زکریا علیہ السلام کہ قبر مبارک ہے) نماز ادا کرتے ہیں.

سوم: یہ کہ قرطبی، نووی، قسطلانی اور بیضاوی نے اس حدیث سے جو مفہوم لیا ہے وہ ابن تیمیہ اور اسکے پیروکاروں کی رائے کے مخالف ہے. اور بعض جگہوں پر تو وہ معنی لیا ہے کہ جسے ہم پہلے بیان کر چکے [1]

چہارم: یہ کہ فقہائے اہل سنت نے اپنے فتاوی میں وہابیوں کے توہم کے خلاف فتوی دیا ہے. اب ہم ان میں سے بعض کے نظریات کو بیان کر رہے ہیں:

1۔ ارشاد الساری 2: 99؛ اور 3: 497؛ شرح صحیح مسلم 7: 27.

1۔امام مالک کا نظریہ:

امام مالک کے شاگرد ابن قاسم سے کہا گیا: کیا مالک کے نزدیک جائز ہے کہ ایک شخص قبر پر نماز ادا کرے جبکہ اس پر غلاف موجود ہو؟

تو انہوں نے کہا: مالک قبرستان میں نماز ادا کرنے پر اعتراض نہ کرتے. اس لئے کہ وہ قبرستان میں نماز ادا کرتے جبکہ ان کے سامنے، پیچھے اور دائیں، بائیں قبریں ہوتیں.

مالک کہتے ہیں: قبرستان میں نماز ادا کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے.

وہ کہا کرتے کہ مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض صحابہ کرام قبرستان میں نماز ادا کیا کرتے.[1]

2۔ عبد الغنی نابلسی کا نظریہ:

اگر کوئی شخص کسی نیک انسان کی قبر پر مسجد بنائے اور اسکی نیّت یہ ہو اس عبادت کا ثواب اس شخص کے شامل حال ہو اور نماز ادا کرتے وقت اس کی تعظیم یا اسکی طرف توجہ نہ کرے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے

. جیسا کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے حرم (جو خانہ کعبہ کے پاس مسجد الحرام کے اندر ہے) میں نماز ادا کرنا باقی مکانوں کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتا ہے.[2]

اسی طرح وہ کہتے ہیں: اگر قبروں کی جگہ مسجد بنا دی جائے یا راستہ میں ہو یا کوئی شخص وہاں پہ بیٹھا ہو، یا یہ کہ کسی ولی خدا یا عالم محقق کی قبر ہو جس نے خدا کی رضا کی خاطر کوشش کی تو اس کی روح پر نور کے احترام کی خاطر۔ جو خورشید کے مانند زمین پر چمک رہی ہے ۔ اور یہ بتانے کے لئے کہ صاحب قب رولی

1۔ المدونۃ الکبری 1: 90.

2۔ الحدیقۃ الندیۃ 2: 631.

خداہے اس سے تبرّک حاصل کیا جائے اوراسکی قبر کے پاس دعاکی جائے تاکہ مستجاب ہو.تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے.اس لئے کہ انسان کے اعمال کا دارومدار اس کی نیت پر ہے.[1]

3۔ ابومالکی کا نظریہ:

کوثری کہتے ہیں: ابومالکی نے اپنانظریہ یوںبیان کیا: جو بھی کسی نیک انسان کی قبر پر مسجد بنائے یا اس کے مقبرہ میں نماز ادا کرے جبکہ اسکا مقصد اس شخص کے آثار سے تبرّک حاصل کرنا اور اسکی قبر کے پاس دعا مستجاب کروانا ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے. اور اسکی دلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک ہے جو مسجد الحرام میں خانہ کعبہ کے پاس ہے اور اسمیں نماز ادا کرنا باقی مقامات پر ادا کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے.[2]

4۔بغوی کا نظریہ:

بغوی کہتے ہیں: بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبرستان میں یا قبور کے پاس نماز ادا کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے البتہ اس شرط کے ساتھ کہ قبرستان میں نماز کی جگہ پاک ہو.

ایک روایت میں بیان ہوا ہے: ایک دن عمر بن خطاب نیانس بن مالک کو ایک قبر کے پاس نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا: یہ قبر ہے! یہ قبر ہے! لیکن ان سے یہ نہیں کہا کہ دوبارہ نماز ادا کرو.

حسن بصری کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ قبرستانوں میں نماز ادا کیا کرتے.

مالک سے نقل کیا گیا ہے قبرستان میں نماز ادا کرنا کوئی عیب نہیں رکھتا.

1۔ حوالہ سابق: 630.

2۔ المقالات کوثری 246؛ شرح صحیح مسلم 2: 234.

وہی کہتے ہیں: بعض مکانوں (حمام اور قبرستان) میں نماز کرنے سے نہی کی دلیل یہ کہ وہاں پر غالبا نجاست پھینی جاتی ہے جیسے حمام. اسی وجہ سے وہاں نماز ادا کرنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے. اور قبرستان میں نماز ادا کرنے سے اس لئے نہی کی گئی کہ وہاں کی مٹی مردوں کے خون اور ہڈیوں سے مخلوط ہوتی ہے اور نہی نجاست سے متعلق ہے. لیکن اگر کوئی شخص ایک جگہ بنا لے تو وہاں نماز ادا کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے. [1]

اب بھی بیان کردہ مطالب اور مقبروں میں نماز ادا کرنے کے جواز کے بارے میں علمائے اہل سنّت کے فتاوی کے باوجود وہابیوں کے پاس کوئی چارہ رہ جاتا ہے کہ وہ مقبروں میں نماز ادا کرنے والوں پر کفر و شرک کی تہمت لگائیں اور یہ کہیں کہ: یہ لوگ صاحب قبر کی عبادت کرتے ہیں جبکہ امام مالک اور حسن بصری قبروں کے درمیان میں نماز ادا کیا کرتے؟!

1۔ شرح السنۃ 2: 398.

8۔ تعمیر قبور

وہابیوں کا نظریہ اور ان کے فتاوٰی کے نمونے

قبور کی تعمیر کے شریعت میں جائز ہونے پر بہترین دلیل بیت المقدس کے اطراف میں انبیائے الٰہی کی قبور کا موجود ہونا ہے اور مسلمانوں کے تمام فرقے بھی ہر زمانے میں اسی پر عمل پیرا رہے ہیں۔ لیکن وہابی قبور پر عمارت ، گنبد، ان کے تعمیر اور چونا کرنے کو شرک وکفر اور ان کے ویران کرنے کو واجب سمجھتے ہیں ۔

1۔ صنعانی کہتا ہے:

مقبرہ بت کے مانند ہے اس لئے کہ جو کام زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کے لئے انجام دیتے تھے وہی کام (قبوریون یعنی قبروں کے پجاری) اولیائے خدا کی قبروں اور مقبروں کے لئے انجام دیتے ہیں [1]

2۔ ابن تیمیہ کا شاگرد ابن قیم کہتا ہے:

قبور کے اوپر بنائی گئی عمارات کا نابود کرنا واجب ہے جو بتوں اور طاغوتوں کے عنوان سے پرستش کی جاتی ہیں ۔ ان کو خراب کرنے کی طاقت رکھنے کے بعد ایک دن کے لئے بھی تاخیر جائز نہیں ہے ۔ چونکہ یہ عمارات دو بتوں لات وعزی کی طرح ہیں۔ اور وہاں پر بدترین شرک آلودہ اعمال انجام دیئے جاتے ہیں۔[2]

3۔ علمائے مدینہ سے منسوب جواب میں یوں بیان ہوا ہے:

قبور کے اوپر عمارت بنانے کا ممنوع ہونا اجماعی ہے جس کی ممنوعیت پر صحیح احادیث دلالت کررہی ہیں ۔ اسی وجہ سے بہت سے علماء نے ان کے خراب اور ویران کرنے کا فتوی دیا ہے ۔ وہ اس فتوی میں (ابو

1۔کشف الارتیاب :286، بہ نقل از تطہیر الاعتقاد صنعانی.

2۔زاد المعاد 3:ص506.

الھیاج)کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو اس نے حضرت علی سے نقل کی کہ علی بن ابیطالب علیہ السلام نے اس سے فرمایا: الا ان ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قربا مشرفا الا سویتہ

آگاہ رہو ! میں تمہیں ایسے کام پر مامور کررہا ہو جس پر رسول خدا ﷺ نے مجھے مامور کیا تھا کسی تصویر کو نہ چھوڑنا مگر یہ کہ اسے محو کردینا اورجو قبر بلند نظر آئے اسے زمین کے برابر کردینا۔ [1]

اس فتوی کا رد

ہم اس فتوی کے جواب میں کہتے ہیں۔

وہ اجماع جسے وہابی بیان کرتے ہیں مردود ہے بلکہ اس فتوی کے خلاف ایسے عمل کے جائز ہونے پر اجماع موجود ہے ۔ وہابی فرقہ کی پیدائش سے پہلے تمام مذاہب کے مسلمانوں کی ہر زمانہ میں یہی سیرت رہی ہے ۔

اس بارے میں صنعانی کا سیرت کا اعتراف کرنا ہمارے نظریہ کی تایید کررہا ہے ۔ اس نے اپنی کتاب (تطھیر الاعتقاد) میں ایک سوال کی صورت میں اس بارے میں لکھا ہے ۔

اس سیرت نے شرق وغرب عالم کے تمام شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ۔یہاں تک کہ اسلامی ممالک کا کوئی ایسا نقطہ نہیں ہے کہ وہاں پہ قبریا مقبرہ نہ ہویہاں تک کہ مسلمانوں کی مساجد بھی قبروں سے خالی نہیں ہیں۔ اور کوئی عقل مندیہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہے کہ یہ عمل حرام ہے ۔ علمائے اسلام بھی اس بارے میں ساکت ہیں۔

اس کے بعد صنعانی کہتا ہے ۔ اگر انصاف سے کام لیں اور سلف کی پیروی سے کنارہ کش ہوجائیں تو

1۔کشف الارتیاب :288.

جان لیں گے کہ حق وہی ہے جو دلیل کے ساتھ ثابت ہوچکا ہے نہ کہ ہرنسل کا اتفاق واجماع ۔ لہذا یہ امور جو عوام انجام دیتے ہیں ۔ یہ اپنے آباء واجداد کی تقلید اوربدون دلیل ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ اپنے آپ کو اہل علم کہلواتے ہیں یا منصب قضاوت، فتوی اورتدریس پر فائز ہیں۔ یا حکومت میں امیرورئیس ہیں لیکن عمل عوام کی طرح انجام دیتے ہیں۔

البتہ کسی مجہول چیز کے رواج میں علماء یا عالم کا سکوت کرنا اس کے جواز کی دلیل نہیں ہے ۔

صنعانی نے اپنے اس کلام میں اس سیرت کے عوام وعلماء کے تمام طبقوں میں پائے جانے کا اعتراف کیا ہے ۔ جبکہ دوسری طرف یہ کہہ رہا کہ حق وہی ہے جو دلیل سے ثابت ہوچکا ہے ۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ کیا ہرنسل میں امت کے اتفاق سے بڑھ کر کوئی دلیل ہوسکتی ہے ؟

اس حدیث پر اعتراض

قابل ذکر ہے کہ جس حدیث سے وہابی استناد کرتے ہیں چند اعتبار سے قابل اعتراض ہے:

1۔ کسی حدیث کا وہابیوں کے نزدیک صحیح ہونا یا اس کی مخالفت میں کسی حدیث کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ حدیث دوسروں کے نزدیک بھی صحیح ہو لہذا اس موضوع پر اجماع کے پائے جانے کا دعوی کرنا ممکن نہیں ہے.

2۔ علمائے مدینہ سے منسوب جواب میں تناقض پایا جاتا ہے اس لئے کہ ایک باریہ کہا جارہا کہ بہت سے علماء نے تخریب قبور کے وجوب کا فتوی دیا ہے تودوسری باریہ کہاجارہا: حرمت پر دلالت کرنے والی احادیث کے صحیح ہونے پر اجماع موجود ہے.

اگر واقعا اجماع موجود ہے تو پھر تمام علماء نے قبور کی تخریب کے وجوب کا فتوٰی کیوں نہ دیا؟

3۔ اس حدیث میں سند اور دلالت دونوں اعتبار سے اشکال موجود ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایسے افراد موجود ہیں جنہیں علمائے رجال نے ضعیف قرار دیا ہے جن میں سے ایک وکیع بن جرّاح ہے.

عبداللہ بن احمد بن حنبل شیبانی اس کے متعلق کہتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہا کرتے تھے: ابن مہدی کی تصحیف[1] وکیع کی نسبت زیادہ اور وکیع کے اشتباہات ابن مہدی سے زیادہ ہیں.

وہی دوسرے مقام پر کہتے ہیں: ابن مہدی نے پانچ سو احادیث میں خطا کی ہے.[2]

ابن المدینی کہتے ہیں: وکیع عربی زبان میں مہارت نہیں رکھتا تھا اور اگر اپنے الفاظ میں بیان کرتا تو انسان کو تعجب میں ڈال دیتا.وہ ہمیشہ کہا کرتا: حدّثنا الشعبی عن عائشہ [3]

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ابو سفیان ثوری ہے.

ذہبی اس کے متعلق کہتے ہیں: سفیان ثوری دھوکے اور فریب کاری سے ضعیف راویوں کو ثقہ اور قابل اعتماد بیان کیا کرتا.[4]

یحیٰی بن معین اس کے بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ابو اسحاق کی احادیث میں سفیان سے بڑھ کر کوئی دانا تر نہیں لیکن وہ احادیث میں تدلیس (حدیث میں ایک طرح کا جھوٹ اور اس میں ملاوٹ کرنا ہے) کیا کرتا.[5]

اسی حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی حبیب بن ابو ثابت ہے. ابن حبّان حبیب کے

1۔ لکھنے یا پڑھنے میں کسی بھی قسم کی غلطی کو تصحیف کہا جاتا ہے.

2۔ تہذیب الکمال 30: 471.

3۔ میزان الاعتدال 7:127.

4۔ حوالہ سابق.

5۔ الجرح والتعدیل4: 225.

متعلق کہتے ہیں: وہ حدیث میں تدلیس اور دھوکے سے کام لیا کرتا.[1]

ابن خزیمہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: حبیب بن ابو ثابت احادیث میں تدلیس کیا کرتا.[2]

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ابووائل بھی ہے جو دل میں بغض علی علیہ السلام رکھتا تھا (3)جبکہ حدیث معتبر میں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

یا علی لایحبّک الاّ مؤمن ولا یبغضک الاّ منافق

اے علی! تجھ سے محبت وہی کرے گا جو مومن ہو گا اور تجھ سے بغض وہی رکھے گا جو منافق ہو.[4]

دوسری جانب حدیث کے متن کی بھی تحقیق کی ضرورت ہے چونکہ اس کا راوی تنہا ابو الہیاج ہے لہذا یہ حدیث شاذ کہلائے گی.

جلال الدین سیوطی نے نسائی کی شرح میں لکھا ہے: کتب روایات میں ابوالہیاج سے فقط یہی ایک روایت نقل ہوئی ہے.

اورپھریہ حدیث ان کے مدّعا پر دلالت بھی نہیں کر رہی چونکہ ایک طرف قبر کے زمین کے برابر کرنے کی حکم دے رہی ہے تو دوسری جانب اس کے اوپر والے حصے کے ناہموار ہونے سے منع کر رہی ہے. اس لئے کہ شرف کا معنٰی بلندی ہے. اور لغت میں اونٹ کی کوہان کی بلندی کو کہا جاتا ہے.[5]

1۔ تہذیب التہذیب 2: 156.

2۔ حوالہ سابق.

3۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 4: 99.

4۔ مجمع الزوائد 9: 133.

5۔ القاموس 3: 162.

اس بنا پر لفظ شرف ہر طرح کی بلندی کو شامل ہو گا جبکہ سوّیتہ کا معنٰی برابر کرنا اس بات پر قرینہ ہے کہ یہاں پر شرف سے مراد اونٹ کی کوہان یا مچھلی کی پشت پر موجود ابھار ہے.

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں تین احتمال موجود ہیں:

1۔ قبرونکے اوپر موجود بلند عمارتوں کو ویران کیا جائے.

2۔ قبروں کو زمین کے برابر کیا جائے.

3۔ جس قبر کے اوپر اونٹ کی کوہان کے مانند ابھار موجود ہو اسے برابر کیا جائے.

پہلا احتمال مردود ہے اس لئے کہ صحابہ کرام کا عمل اور سیرت مسلمین اس کے خلاف ہے جس کے نمونوں کی طرف اشارہ کر چکے.

نیز دوسرا احتمال بھی باطل ہے چونکہ سنت قطعی قبر کے زمین سے ایک بالشت بلند ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔

تیسرا احتمال یہ کہ قبر کے اوپر موجود ہر طرح کی ناہمواری اور کجی جو اونٹ کی کوہان کی مانند ہو اسے برابر کیا جائے. بعض اہل سنت علماء جیسے عسقلانی اور نووی وغیرہ نے بھی اس روایت کی یہی شرح بیان کی ہے.

نووی کہتے ہیں: قبر کو زیادہ بلند نہیں ہونا چاہئے اور اوپر سے مسنّم (اونٹ کی کوہان کی طرح) نہ ہو بلکہ زمین سے ایک بالشت بلند اور اوپر سے ہموار ہو۔[1]

قسطلانی قبروں کے ہموار ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ابو الہیاج کی حدیث

1۔ المجموع 5: 295اور 1:229.

سے مراد یہ نہیں ہے کہ قبر زمین کے برابر ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبر کو اوپر سے ہموار ہونا چاہیئے.[1]

سیرت صحابہ کرام و مسلمین

بیت المقدس کے اطراف میں بہت سے انبیائے الٰہی کی قبور موجود ہیں جیسے قدس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر، الخلیل میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم السلام کی قبور جن پر بلند عمارات پائی جاتی ہیں. اسلام سے پہلے ان پر پتھر موجود تھے اور جب اسلام نے اس علاقے کو فتح کیا تو یہ قبور اسی صورت میں تھیں.[2]

ابن تیمیہ اسی مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

شہر الخلیل کی فتح کے دوران صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی قبر پر عمارت موجود تھی مگر یہ کہ اس کا دروازہ 400ہجری تک بند رہا۔[3]

بے شک جب حضرت عمر نے بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت بھی یہ عمارت موجود تھی لیکن اس کے ویران کرنے کا حکم نہیں دیا جبکہ ابن بلہید یہ دعوٰی کر رہا کہ مقبروں کا بنانا پانچویں صدی کے بعد رائج ہوا۔

یہ دعوٰی یقینا درست نہیں ہے چونکہ بہت سے مقبروں کا تعلق پہلی، دوسری یا تیسری صدی سے ہے[4] جن کے چند ایک نمونوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

1۔ ارشادالساری 2: 468.

2۔ کشف الارتیاب :306.

3۔ مجموع الفتاوٰی ابن تیمیہ 27: 141.

4۔ اخبار المدینۃ1: 81.

1۔ اس حجرہ شریفہ کی عمارت جس میں آنحضرت ﷺ مدفن ہیں۔

2۔ حضرت حمزہ علیہ السلام کی قبر پر موجود مسجد کی عمارت۔

3۔ محمد بن زید بن علی علیہ السلام کے گھر میں پیغمبر ﷺ کے فرزند ابراہیم کی قبر.

4۔ امیر المؤمنین حضرت علیہ السلام کا روضہ مبارک جو 372 ہجری میں تعمیر ہوا۔[1]

5۔زبیر کا مقبرہ جو 386 ہجری میں تعمیر کروایا گیا.[2]

6۔حضرت سعد بن معاذ کا مقبرہ جو دوسری صدی ہجری میں بنا.[3]

7۔ 256 ہجری میں امام بخاری کی قبر پر ضریح کا بنا کر رکھا جانا.[4]

صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں مقبروں کی تعمیر نو

ہم اس موضوع کا آغاز اس سوال سے کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اگر واقعا مقبروں اور روضوںکا بنانا حرام ہے تو پھر صحابہ کرام نے روضہ پیغمبر ﷺ کو کیوں نہ گرایا جس کی عمارت اب بھی موجود ہے؟

اور پھر جس گھر میں آنحضرت ﷺ کو دفن کیا گیا تھا اس میں دیوار نہیں تھی اور سب سے پہلے جس نے دیوار بنوائی وہ حضرت عمر بن خطاب تھے ۔[5]

ایک روایت میں نقل ہوا ہے کہ حضرت عائشہ نے اس گھر میں اپنے اور قبور کے درمیان دیوار

1۔سیر اعلام النبلاء 1: 251.

2۔المنتظم 14:377.

3۔ سیر اعلام النبلاء 13: 285.

4۔ الطبقات الشافعیۃ الکبری 2: 234.

5۔ وفاء الوفاء باَخبار المصطفٰی 2: 541.

بنوائی اور پھر وہیں پہ نماز بھی پڑھا کرتی تھیں۔
عبداللہ بن زبیر نے اپنے دور حکومت میں قبر مبارک پر عمارت بنوائی جو کچھ عرصہ بعد خراب ہو گئی اور پھر متوکل عباسی کے زمانے میں اس عمارت پر سنگ مرمر لگائی گئی۔

صحابہ کرام اور دیگر افراد کی قبور

1۔ دوسری صدی ہجری میں ہارون الرشید نے امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہما السلام کی قبر مبارک پر گنبد بنوایا۔[1]

2۔ 230 ہجری میں نہشل بن حمید طوسی نے معروف شاعر ابو تمام حبیب بن اوس طائی کا مقرہ بنوایا[2]

3۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے 36 ہجری میں وفات پائی. خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ان کی قبر اب بھی ایوان کسریٰ کے قریب موجود ہے... اس پر مقبرہ بنا ہوا ہے...[3]

4۔ ابن بطوطہ ، طلحہ بن عبید اللہ (جو اپنے زمانہ کے امام حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا) کے مقبرہ کے متعلق کہتے ہیں:

اس کی قبر شہر کے اندر موجود ہے اور اس پر گنبد بنا ہوا ہے ۔[4]

5 ۔ 204ھ میں امام شافعی کی وفات ہوئی ،ذہبی نے لکھا ہے:ملک کامل نے شافعی کی قبر پر گنبد بنوایا[5]

6۔ ذہبی کہتے ہیں: 236ھ میں متوکل عباسی نے یہ حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر اور اس کے

1۔ سیر اعلام النبلاء 16: 251.

2۔ شذرارت الذہب 2:74.

3۔ تاریخ بغداد 1: 163.

4۔ سفر نامہ ابن بطوطہ 1: 208.۔

5۔ دول الاسلام : 344.

اطراف میں موجود عمارتوں کو ویران کیا جائے ۔جب اس کے حکم پر عمل درآمد ہو گیا تو مسلمان غمگین ہوئے اور اہل بغداد نے مساجد اور شہر کی دیواروں پر اس کے خلاف نعرے لکھے اور شعراء نے اپنے اشعار میں اس کی مذمت کی ...۔[1]

البتہ طول تاریخ اور تاریخی وقائع میں اس کے بہت زیادہ نمونے واضح طور پر پائے جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی زندگی میں ان کی یہی سیرت رہی ہے کہ قبروں کے اوپر عمارات تعمیر کرواتے اور یہ سیرت وہابیوں کے افکار سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ لیکن اس کے باوجود اکرم البوشی جیسا شخص ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلائ) کے حاشیہ پر ان تاریخی حقائق کے ذیل میں لکھتا ہے :

یہ سب مسلمان عوام کے خود ساختہ امور ہیں جو اس بارے میں کسی قسم کی آگاہی نہیں رکھتے اور یہ اعمال بدعت ہیں جن سے نہی کی گئ ہے۔

خدا وند متعال کا شکر ہے کہ اکرم البوشی نے یہ نہیں کہا : کہ یہ شیعوں کا کام ہے بلکہ کہا : (مسلمان عوام کا کام ہے ۔ہاں ! گویا خود کو خواص میں سے سمجھتا ہے اور باقی مسلمانوں کو عوام !

ابو زبیر کی حدیث سے استناد

وہابیوں نے اپنے مدعا کے اثبات کے لئے ابو زبیر کی روایت سے استناد کیا ہے ابو زبیر کہتا ہے :

نهی رسول الله ان يجصص القبر وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه

رسولخدا(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نے قبروں کو چونا کرنے، ان کے پاس بیٹھنے یا ان پر مقبرہ تعمیر کرنے سے نہی فرمائی ہے ۔

1۔مآثر الانافة فی معالم الخلافة، قلقشندی 1: 120.

البتہ یہ حدیث چند واسطوں سے نقل ہوئی ہے۔ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد اور احمد بن حنبل نے عبارت میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ [1]

اس حدیث پر اعتراضات

اس حدیث میں بھی سند اور دلالت کے اعتبار سے اشکال موجود ہے۔

1۔ اس حدیث کی سند میں ابن جریج، ابوزبیر، حفص بن غیاث اور محمد بن ربیعہ جیسے راوی موجود ہیں جن کے بارے میں اہل سنت علمائے رجال نے شک وتردید کا اظہار کای ہے۔ انہی راویوں میں سے ایک ابن جریج ہے۔ احمد بن حنبل اس کے بارے میں کہتے ہیں: اگر ابن جریج کہے کہ فلاں وفلاں نے یوں کہا ہے تو وہ منکر و مجھول احادیث کو نقل کررہاہے ابن حبان نے بھی اسے اہل تدلیس قرار دیا ہے۔ [2]

اس کا دوسرا راوی ابوزبیر ہے جس کے بارے میں نعیم بن حماد کا کہنا ہے: میں نے ابن عیینہ سے سنا ہے کہ وہ ابوزبیر کو حدیث کے نقل کرنے میں ضعیف قرار دیا کرتے۔

عبدالرحمان بن ابوحاتم نے اس کے بارے میں اپنے والد سے سوال کیا تو ابوحاتم نے کہا: ابوزبیر کی احادیث لکھی جائیں گی لیکن ان سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ [3]

اس حدیث کا ایک اور راوی حفص بن غیاث ہے۔ یعقوب بن شعبہ حفص کی نقل کردہ روایات کے بارے میں کہتے ہیں: اس کے بعض محفوظات کے بارے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

داؤد بن رشید نے اس کے بارے میں یوں اظہار نظر کیا ہے وہ کہتے ہیں: حفص بہت زیادہ

1۔ صحیح مسلم 2:66؛ سنن ترمذی 3:368؛ سنن ابن ماجہ 1:498؛ سنن نسائی 4:88؛ سنن ابی داؤد 3:216؛ مسند احمد 3:295.

2۔ تہذیب الکمال 18:348؛ تہذیب التہذیب 6:357.

3۔ تہذیب الکمال 26:407.

اشتباہ کیا کرتا۔ [1]

وہابی کسطرح ان احادیث پر بھروسہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی تکفیر اور ان کا خون مباح قرار دیتے ہیں جن کی سند میں اس قدر فراوان اشکالات پائے جاتے ہیں ۔

2۔ دلالت کے اعتبار سے بھی اس حدیث میں مشکل پائی جاتی ہے ۔

اولا: یہ حدیث یہ کہہ رہی ہے : (رسولخدا(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبروں کوچونا کرنے ، ان کے پاس بیٹھنے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے سے نہی فرمائی ہے جب کہ نہی ہمیشہ حرمت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ بسا اوقات کراہت پر دلالت بھی کرتی ہے جس کے نمونے بکثرت موجودہیں اوریہی کثرت باعث بنتی ہے کہ اس حدیث میں نہی کا ظہور کراہت پر دلالت کرے ۔

اسی بناء پر اہل سنت علماء نے اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئےیوں فتوی دیا ہے۔ شافعی اس حدیث کے مطابق کہتے ہیں : مستحب یہ ہے کہ قبر زمین سے زیادہ بلند نہ ہو۔

نووی کہتے ہیں : صاحب قبر کی اپنی ملکیت میں قبر پر عمارت بنانامکروہ اور وقف شدہ زمین میں حرام ہے.[2]

سندی نے نیشاپوری سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھاہے : یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ شرق وغرب تک اسلام کے پیشوا قبروں پر عبارات لکھا کرتے اور یہ وہی چیز ہے جسے آنے والی نسلوں نے سلف سے لیا ہے [3]

ثانیا : ایسی احادیث تعمیر قبور اور ان پر عمارت کے حکم کو بیان نہیں کررہی ہیں اسلئے کہ یہ کام شعائر اللہ اور

1۔تاریخ بغداد8:199.

2۔شرح صحیح مسلم 7: 27.

3۔حاشیہ نسائی4:87.

خدا کی نشانیوں میں سے ہے جن کی تعظیم ضروری ہے اور ان کا شعائر الہی ہونا اس اعتبار سے ہے کہ ان قبروں میں مدفون یا تو انبیائے الہی ہیں یا اولیائے خدا ، یا یہ کہ ان قبور کی تعمیر اور ان پر عمارات کا بنانا مصلحت یا دین میں ان کی اہمیت کی بناء پر ہے ۔ مندرجہ ذیل شواہد ہمارے مدعی کو ثابت کررہے ہیں :

1۔ ابن ماجہ کہتے ہیں : رسول خدا ﷺ نے عثمان بن مظعون کی قبر پر ایک پتھر رکھ کر اسے مشخص کیا ۔ [1] ہیثمی ابن ماجہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں : اس حدیث کی سند حسن اور معتبر ہے ۔

2۔ اصبغ ابن نباتہ کہتے ہیں: دختر رسول خدا ﷺ حضرت فاطمہ ، حضرت حمزہ کی قبر پر تشریف لاتیں تو اس پر نشانی رکھ کر جاتیں تاکہ اسے پہچان سکیں ۔

اسی طرح کہتے ہیں: پیغمبر ﷺ ، ابوبکر او رعمر کی قبور پر چھوٹے چھوٹے پتھر موجود تھے۔[2]

مقبروں کے آثار

واضح ہے کہ قبروں کے اوپر عمارات بنانے میں فوائد و آثار پائے جاتے ہیں مثال کے طور پر :

1۔ یہ کام شعائر الہی میں سے او رد شمنوّ منکروں کی ناک کو خاک پر ملنا ہے ۔

2۔ ان مقامات میں عبادات کا انجام دینا ان کی شرافت و عظمت کی وجہ سے رجحان رکھتا ہے ۔ لہذا زائرین کو گرمی و سردی سے بچانے ، زیارت میں آسانی ، نماز ، تلاوت قرآن اور مجالس وعظ میں شرکت کرنے والوں کیلئے سائبان قرار دینا ایک نیک عمل ہے ۔

3۔دین کے نمونوں کو ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھنا ۔

شاید مقبروں کا مہم ترین اثر یہی ہے کہ اس طرح دین کے بنیادی نمونوں کی حفاظت کی جا سکے اور اگر ایسی

1۔ سنن ابن ماجہ 1:498.

2۔ المصنف 3: 574.

تعظیم نہ ہو تو یہ نمونے فراموشی کی نذر ہو جائیں گے۔

درحقیقت وہابیوں کا اصلی ہدف مقبروں کی تعمیر کی مخالفت کر کے ایک دینی دستور پر عمل پیرا ہونا نہیں ہے بلکہ وہ دین کے ان نمونوں کی نابودی چاہتے ہیں جبکہ انسان تربیت میں نمونے کا محتاج و نیازمند ہے۔

9۔ قبور پر چراغ روشن کرنا

قبور پر چراغ روشن کرنا

وہابی عوام کو قبروں پر چراغ روشن کرنے سے منع کرتے ہیں اور اس بارے میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیھاالمساجد والسرج

رسولخدا ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں، قبور کو مساجد قرار دینے والوں اوران پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔[1]

اس نظریہ کارد

وہابیوں کے اس نظریہ کی چند جھات سے تحقیق اور اسے رد کیا جاسکتا ہے:

1۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

حاکم نیشاپوری نے (المستدرک علی الصحیحین) میں اس روایت کو دو واسطوں کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے جبکہ اس روایت کے دونوں سلسلوں میں ایک راوی ابوصالح باذام ہے جسے علمائے رجال نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ابوحاتم اس کے بارے میں کہتے ہیں: باذام کی روایت کو نقل تو کیا جائے گا لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

نسائی باذام کے بارے میں کہتے ہیں: ابو صالح باذام حدیث کے نقل کرنے میں قابل اعتماد نہیں ہے2۔

1۔ سنن نسائی 4: 94، المستدرک علی الصحیحین 1: 530، ح 1384.

2۔ الکامل فی الضعفاء 2: 71.

2۔ اس حدیث میں بیان شدہ لعنت ان افراد کو شامل ہے جو عام افراد کی قبور پر ایسے اعمال انجام دیتے ہیں نہ کہ انبیاء واولیائے الہی کی قبور پر جن کے احترام کا حکم دیا گیا ہے ۔ لہذا اس بناء پر انبیاء و اولیاء کی قبور کی زیارت اوران پر چراغ روشن کرنا نہ تنہا مذموم نہیں ہے بلکہ ایسا عمل ان کی تعظیم اور رجحان شرعی بھی رکھتا ہے

3۔ لعنت کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب چراغ روشن کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو اورایک لغو کام شمار ہو لیکن اگر قرآن ودعا اور نماز پڑھنے کیلئے یا وہاں پہ شب بیداری کرنے والوں کیلئے روشن کیا جائے تاکہ وہ اس کی روشنی سے بہرہ مند ہو سکیں تو ایسا عمل حرام تو دور کی بات مکروہ بھی نہیں ہوگا اور نیکی وتقوی میں تعاون کا مصداق قرار پائے گا۔ جیسا کہ بعض علمائے اہل سنت نے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

عزیزی پیغمبر ﷺ کے اس فرمان کی شرح میں کہتے ہیں؛ کہ لعنتِ پیغمبر ﷺ تنہا ان افراد کو شامل ہوگی جو قبور پر چراغ روشن کریں جبکہ زندہ افراد اس کی روشنی سے فائدہ حاصل نہ کریں ۔ اور اگر لوگ اس سے بہرہ مند ہوں تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے ۔ [1]

سندی نے سنن نسائی کے حاشیہ پر لکھا ہے : لعنت اس وقت ہوگی جب مال بغیر استفادہ کے ضائع ہوجائے ، اس معنی میں کہ اگر لوگ اس چراغ کی روشنی سے استفادہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے ۔ [2]

شیخ حنفی (جامع صغیر) کے حاشیہ پر لکھتے ہیں : ولی خدا کی قبر پر چراغ روشن کرنا حرام ہے جب کوئی شخص اس سے استفادہ نہ کرے [3]

1۔ شرح الجامع الصغیر 3: 198.

2۔ حاشیہ سنن نسائی 4: 95.

3۔ کشف الارتیاب ؛ 338.

قبروں پر چراغ روشن کرنے کے جواز کی دلیل رسول خدا ﷺ کا عمل ہے، ترمذی لکھتے ہیں:

ابن عباس کہتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ رات کے وقت قبرستان میں داخل ہوئے اور ایک قبر پر چراغ روشن کیا۔ (1)

4- سیرت مسلمین:

وہابیوں کے نظریہ کے باطل ہونے پر چوتھی دلیل سیرت مسلمین ہے جس پر وہ ابن تیمیہ کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں بھی عمل پیرا رہے اور یہ سیرت وہابیوں کے نظریہ کے مخالف ہے۔ علماء نے اس بارے میں بہت سے شواہد بیان کئے ہیں۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ولید کہتا ہے: ابو ایوب انصاری کی قبر پر شمعدان موجود تھے (2)

ابن جوزی کہتے ہیں: 683ھ کے حوادث میں سے ایک یہ ہے کہ بصرہ کے لوگوں نے یہ دعوی کیا کہ انہوں نے زبیر بن عوام کی قبر تلاش کرلی ہے لہذا اس قبر کیلئے شمعدان اور چٹائیاں لے گئے۔ (3)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: امام موسی کاظم کی قبر ایک مشہور زیارتگاہ ہے۔جس پر عظیم بارگاہ بنی ہوئی ہے اور یہاں پہ سونے اور چاندی کے شمعدان، مختلف وسائل اور بے شمار فرش موجود ہیں۔ (4)

1- جامع الصحیح 3:372

2- تاریخ بغداد 1:154.

3- المنتظم 14:387.

4- وفیات الاعیان 5: 310.

10۔ نذر

غیر خدا کیلئے نذر

اسلام کے فرعی احکام میں سے ایک نذر ہے ۔ انسان نذر کرتے وقت یہ ارادہ کرتا ہے کہ اگر میری فلاں حاجت پوری ہو گئی تو خدا کیلئے فلاں کام انجام دوں گا۔ یہ حکم مسلمانوں کے درمیان رائج رہا اور اب بھی ہے ۔

جبکہ وہابیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ غیر خدا کیلئے نذر کرنا حرام ہے چونکہ یہ نذر مشرکوں کی بتوں کیلئے نذر کرنے کے مانند ہے اور معمولا غیر خدا کیلئے نذر کی وجہ سے یہ ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں غلو او رخاص قسم کا اعتقاد پایا جاتا ہے ۔

قصیمی کہتا ہے : غیر خدا کیلئے نذر کرنا شیعوں کے شعائر میں سے ہے چونکہ وہ علی اور ان کی اولاد کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ [1]

ابن تیمیہ نے اس بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے :

ہمارے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ قبر اور اس کے مجاوروں کیلئے درہم ، روغن ، شمع اور حیوان کی نذر کرنا جائز نہیں ہے چونکہ ایسی نذریں گناہ ہیں اور صحیح روایت میں بیان ہوا ہے :جو بھی خدا کی اطاعت کی نذر کرے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کرے اور جو بھی خدا کی معصیت کی نذر کرے تو اسے چاہیے کہ معصیت نہ کرے .[2]

وہ کہتا ہے :

شرک میں بتلا ہونے کے خوف سے مردہ شخص سے درخواست کرنے سے منع کیا گیا ہے اگرچہ وہ نبی ہی

1۔ الصراع بین الاسلام والوثنیہ 1: 54.

2۔ رسالۃ زیارۃ القبور 27؛ کشف الارتیاب : 283.

کیوں نہ ہو، پس قبوریا انکی عمارات کیلئے نذر کرنا حرام اورباطل ہے ۔ اس اس طرح کی نذر مشرکوں کی اس نذر کے مانند ہے جو وہ اپنے بتوں کیلئے کیا کرتے اور جو بھی یہ عقیدہ رکھے کہ قبور کیلئے نذر نفع یا ثواب رکھتی ہے تو وہ ناداں گمراہ ہے ۔ [1]

اس نظریے کا ردّ

ہم ان کے اس عقیدہ کا جواب چند جہات سے دے سکتے ہیں :

اول : یہ کہ نذر کرنے والے کا مقصد یہ ہوتاہے کہ اس صدقہ اورہدیہ کا ثواب نبی خدا یا ولی خدا کو ایصال اوریوں خداوند متعال سے تقرب پیدا کرسکے ۔ پس کیسے ممکن ہے کہ اس کا مقصد نبی یا ولی ہو جبکہ وہ تو مردہ ہیں نہ کھا سکتے ہیں اور نہ ہی پہن سکتے ہیں ؟

دوم: یہ نذر بالکل اس شخص کے عمل کی طرح ہے جو اپنے والدین کیلئے نذر کرے یا قسم کھائے یا اپنے آپ سے عہد کرے کہ وہ ان کیلئے صدقہ دے گا۔

روایت میں بیان ہوا ہے کہ میمونہ کہتی ہیں :پیغمبر خدا ﷺ کے زمانہ میں میرے باپ نے یہ منت مانی تھی کہ ایک خاص جگہ پر پچاس گوسفند ذبح کریں گے ۔

پیغمبر خدا ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا وہاں پر بتوں کیلئے قربانی کی جاتی ہے ؟

عرض کیا : نہیں ، رسولخدا ﷺ نے فرمایا: اوف بنذرک ۔ اپنی نذر پر عمل کرو۔ [2]

شاید پیغمبر ﷺ نے اسلئے سوال کیا ہوکہ وہاں پر بتوں کی پرستش کی جاتی ہو یا مشرک لوگ وہاںپر اپنی رسومات بجالاتے ہوں چونکہ مسلمان زمانہ جاہلیت سے نزدیک تھے اور اس چیز کا احتمال موجود تھا۔

1۔الملل والنحل : 291.

2۔ معجم البلدان 1:505.

ہم اس تائید میں کہتے ہیں کہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ ثابت بن ضحاک کہتے ہیں : ایک شخص نے نذر کی کہ (بوانہ) نامی منطقہ میں ایک اونٹ ذبح کرے ، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سے آگاہ کیا ۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں پر زمانہ جاہلیت میں کوئی بت موجود تھا جس کی پرستش کیا کرتے ؟

عرض کی : نہیں ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اوف نذرک ، فانه لا وفاء لنذر فی معصیة الله ولا فیما لا یملک ابن آدم

تم اپنی نذر پر عمل کرو اس لئے کہ فقط دو مقام پر نذر درست نہیں ہے ۔

1۔ گناہ ونافرمانی میں 2۔ جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے ۔ [1]

دوسری جانب ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ انسان نذر کرتے وقت یہ کہتا ہے :

اگر میری فلاں مرادپوری ہوگئی تو خدا کیلئے نذر کرتا ہوں کہ فلاں کام انجام دوں گا۔پس جب وہ یہ کہے گا : کہ فلاں کیلئے نذر کرتا ہوں تو یہ ایک مجازی تعبیر ہے اور اختصار کی بناء پریوں کہا جاتا ہے ورنہ در حقیقت اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کے لئے انجام دوں گا تاکہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے ۔

سوم: کیا کسی مسلمان کے عمل کا کسی کافر کے عمل سے مشابہ ہونا باعث بنتا ہے کہ اس مسلمان کو کافر قرار دینا جائز ہو؟ ابن تیمیہ نے اسی دلیل کی بناء پر مسلمانوں کی تکفیر کی ہے لہذا ہم یہ کہیں گے کہ اگر صرف شباہت کفر کے جواز کا باعث بنتی ہے تو پھر حج کے اعمال بھی اسی طرح ہیں چونکہ مشرک اپنے بتوں کے اردگرد طواف کرتے تھے اور ان کی پرستش بھی کرتے ۔ علاوہ ازیں قربانی کے دن اپنے بتوں کے لئے قربانی بھی کیا کرتے اور ہم بھی قربانی کرتے ہیں کیا یہ درست ہے کہ ان دو مشابہ اعمال کو ایک جیسا

1۔ سنن ابوداؤد3: 238، ح 3313

سمجھا جائے ؟

پھر رسولخدا ﷺ فرماتے ہیں: انما الاعمال بالنیات [1]

بنا برایں قضاوت و فیصلے کا معیار نیت قلب ہے نہ کہ ظاہری مشابہت۔

عزامی شافعی اس بارے میں کہتے ہیں: اگر کوئی شخص مسلمانوں کی نیک افراد کیلئے نذروں اور قربانیوں کے مقصد کے بارے میں تحقیق کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس صدقہ یا ہدیہ کا ثواب مردوں کی روح کو پہنچے اور ان کے لئے نفع بخش ہوتا ہے۔ [1]

اور پھر غرامی نے اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے: کہ نذر کے شرعی عمل ہونے کے بارے میں صحیح و معتبر روایات ہم تک پہنچی ہیں انہی میں سے ایک روایت میں آیا ہے کہ سعد کہتے ہیں:

میں نے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ زندہ رہتیں تو صدقہ اداکرتیں اور اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے فائدہ پہنچے گا؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کی کہ کونسی چیز کا صدقہ دینا بہتر ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پانی۔

سعد نے ایک کنواں کھودا اور کہا: ھذا لِاُم سعدٍ؟ یہ کنواں سعد کی ماں کیلئے ہے۔ [3]

البتہ اس سلسلے میں ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں نے خطاکی ہے اس لئے کہ وہ یہ دعوی کرتے ہیںکہ جب کوئی مسلمان یہ کہے :((ھذہ الصدقة للنبی او للولی تو یہ(لام) وہی لام ہے جو نذرت للہ

میں ہے۔

1۔ صحیح بخاری 1:1.

2۔ فرقان القرآن 133.

3۔ حوالہ سابق.

واضح ہے کہ ابن تیمیہ نے غلط راہ اپنائی ہے کہ اسلئے کہ وہ(للہ) میں لام خداوند متعال سے تقرب حاصل کرنے کے معنی میں ہے جب کہ (للنبی) اور (للولی) میں صدقہ کے مصرف کو بیان کررہی ہے ۔

نذر سے متعلق سیرت مسلمین

پہلے اشارہ کرچکے ہیں کہ سیرت مسلمین یہ رہی ہے کہ وہ نذر کرتے اور اسے پورا بھی کیا کرتے ۔

علمائے اہل سنت میں سے خالدی کہتے ہیں: نبی اللہ یا ولی اللہ کیلئے نذر کرنے کا معنی یہ ہے کہ خداوند متعال کی خوشنودی کی خاطر اس کا ثواب ہدیہ کیاجائے ۔ اور بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنے مرنے والے (مثلا مردہ باپ) کیلئے قربانی کی ،یعنی اس کی طرف سے صدقہ دیا ہے [1]

مثال کے طور پر تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ شیخ احمد ابن علی بدوی کا 657ہجری میں انتقال ہوا تو اسے (طندتا) میں دفن کی گیا اور اس کی قبر پر بارگاہ بنائی گئی ، اس شخص کی کرامات زبان زد عام ہیں اور لوگ اس کے لئے بہت زیادہ قربانی کرتے ہیں [2]

اس کا مزید نمونہ احمد بن جعفر خزرعی المعروف ابوالعباس کی قبر ہے ۔ وہ مراکش کے رہنے والے ہیں اور 601 ہجری میں وفات پائی ۔ اب بھی اس کی قبر زیارتگاہ ہے اور کثیر تعداد میں لوگ وہاں پر زیارت کے لئے جاتے ہیں کہا جاتاہے کہ وہاں پر دعا کا مستجاب ہونا تجربہ شدہ ہے ۔ میں نے بارہا اس قبہ کی زیارت کی ہے ۔ اور اس قبر کی برکت کا ایک بار تجربہ بھی کیا ہے ۔

ابن خطیب سلمانی کہتے ہیں ۔ احمد بُستی کی قبر پر چڑھائی جانے والی منتیں روزانہ 800 مثقال خالص سونا

1۔ صلح الاخوان 109؛ الغدیر 5: 182.

2۔المواہب اللدنیہ 5:364 ؛ شذرات الذھب 7: 346.

اور کبھی کبھی ایک ہزار دینار تک پہنچ جاتی ہیں [1]

وہ اس بارے میں لکھتے ہیں: یہ عمل آج تک جاری ہے ۔ میں نے پانچ سو سے زیادہ مرتبہ اس قبر کی زیارت کی ہے ۔ تیس سے زیادہ راتیں وہاں پہ گزاری ہیں اور اس قبر کی برکات دیکھی ہیں [2]

علماء کے فتاوی

نذر کے بارے میں .بیان کی جانے والی روایات کی بناء پر علمائے اہل سنت نے اس کے شرعا جائز ہونے کا فتوی ہے ۔

خالدی حدیث ابوداؤد کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: خوارج اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے انبیاء وصالحین کے مقبروں کیلئے نذر کرنے کو جائز نہیں سمجھتے ۔ چونکہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ انبیاء و صالحین (نعوذباللہ) بتوں کی مانند ہیں اور ان کا احترام زمانہ جاہلیت کی عیدوں کی طرح ہے ۔

ہم ان قبیح وشرک آلود کلمات سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں! یہ فکر خوارج کی گمراہی اور ان کے خرافات کا نتیجہ ہے جو انہوں نے دین کے نام پر شریعت میں داخل کئے اور انبیاء اور اولیائے الہی کو بت کہا جو ان مقدس ہستیوں کی بے احترامی اور جسارت ہے ۔ وہ انتہائی بے ادبی کے ساتھ انبیاء کی تحقیر کرتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص خوارج پر اعتراض کرتا اگرچہ وہ اعتراض اشارے وکنائے کی صورت میں ہوتا تو اسے تکفیر کرتے، یہاں تک کہ بعض موارد میں تو اس کی توبہ بھی قبول نہ کرتے اور اس کی جان، مال اور ناموس مباح قرار دیتے ۔ خوارج انبیاء واولیاء سے توسل کو عبادت سمجھنے کے باوجود انہیں بت کہا کرتے ۔ لہذا ذلیل و رسوا ہوئے ۔ خوارج کے جاہل نظریات پر توجہ دینا مناسب نہیں ہے جن کا سرچشمہ ان کی گمراہی

1۔ نیل الابتہاج 2: 62؛ الغدیر 5: 204) مولف (نیل الابتہاج

2۔ حوالہ سابق.

تھی اور خود خداوند متعال دانا تر ہے ۔ [1]

عزامی شافعی اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

بعض متأخر علماء ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ونکے اقوال سے فریب کھا بیٹھے ہیں در حقیقت ابن تیمیہ اور اسکے شاگردوں کے اقوال دین میں فریب کاری اور دھوکہ ہیں. وہ دینی مسائل کا ایسا معنٰی کرتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان اپنی زبان پر ایسے مطالب جاری نہیں کرتا ۔

اگر کوئی شخص مسلمانوں کی انبیاء اور اولیائے الہی کے لئے دی جانی والی نذراور قربانی کے متعلق تحقیق کرے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ان کا مقصد ان کی جانب سے صدقہ دینا اور ان کی روح کو اس کاثواب ایصال کرنا ہے ۔ علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ زندہ لوگوں کا مردوں کے لئے صدقہ دینا انہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور اس سلسلے میں جو روایات بیان ہوئی ہیں وہ بھی صحیح اور مشہور ہیںلہذا انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے لئے کی جانے والی نذریا قربانی اور دیگر موارد ان شرعی امور میں سے ہیں جن کا سرچشمہ سیرت مسلمین ہے اور یہ کسی خاص فرقے سے مخصوص نہیں ہیں. [2]

1۔ صلح الاخوان 109.

2۔ فرقان القرآن :133؛ الغدیر 5: 181.

11۔ غیر خدا کی قسم

غیر خدا کی قسم کھانا

جیسا کہ بیان کیا جائے گا کہ قسم ایک عقلی امر ہے جسے قرآن و سنت میں بیان کیا گیا لیکن وہابی غیر خدا کی قسم کھانے سے منع کرتے ہیں ان میں سے بعض تو اسے بطور کلی شرک سمجھتے ہیں اور بعض اسے شرک اصغر کانام دیتے ہیں. ابن تیمیہ کہتا ہے شرک کی دو قسمیں ہیں:

1۔ شرک اکبر: اسکی بھی اقسام ہیں... ان میں سے ایک مخلوق سے توسّل اور شفاعت طلب کرنا ہے.

2۔ شرک اصغر: جیسے ریاکاری، اور اس کی ایک قسم غیر خدا کی قسم کھانا ہے.

روایت میں ہے کہ عبد اللہ عمر کہتے ہیں: رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

ومن حلف بغير الله فقد أشرک و...

جس نے غیر خدا کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا.... شرک اصغر مسلمان کو دین سے خارج نہیں کرتا بلکہ شرک اصغر کے مرتکب کو چاہیئے کہ وہ اس سے توبہ کرے۔[1]

صنعانی اپنی کتاب تطہیر الاعتقاد میں قبروں پر جانے والوں کی طرف شرک کی نسبت دیتے ہوئے کہتا ہے:

وہ غیر خدا کے ناموں کی قسمیں کھاتے ہیں اور اگر یہ لوگ اپنی حقانیت کے لئے خدا کی قسم کھائیں تو ایسی قسم قبول نہیں کرتے ،ہاں اگر اپنے اولیاء میں سے کسی کی قسم کھائیں تو قبول کرلیتے ہیں۔اور یہ وہی بتوں کی پرستش ہے[2]۔

1۔ رسائل الھدایۃ:25.

2۔ کشف الارتیاب: 219.

اس نظریے کا جواب

ہم اس نظریہ کا جواب چند طریقوں سے دیتے ہیں :

اول: یہ کہ غیر خدا کی قسم کھانا

خود خداوند متعال، پیغمبر خدا ﷺ ، صحابہ کرام، تابعین اور تمام مسلمانوں سے ماضی سے لیکر آج تک ثابت ہے۔

الف) آیات میں غیر خدا کی قسم : قرآن کریم میں قسم کے بارے میں متعدد آیات بیان ہوئی ہیں۔ سورہ عصر کے آغاز ہی میں پڑھتے ہیں: (والعصر ان الانسان لفی خسر) [1]

دوسری آیت مجیدہ میں ہے: (العادیات ضبحا) [2] اسی طرح یہ آیت مجیدہ: (والناشطات نشطا) [3] اور سورہ ضحی کی ابتداء میں پڑھتے ہیں: (والضحی واللیل اذا سجی) [4] البتہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں کثرت کے ساتھ غیر خدا سے قسم کھانے کا تذکرہ ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایسی قسم خدا کیلئے جائز ہے لیکن مخلوق کے لئے جائز نہیں تو ہم اس کا جواب یوں دیں گے: کیا خداوند متعال نے مخلوقات کی قسم کھا کر کسی کو اپنا شریک ٹھہرایا ہے۔ اور شرک اصغر کا مرتکب ہوا ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک۔ اور اگر غیر خدا کی قسم کھانا شرک اور اس غیر کو خدا سے تشبیہ دینا ہے تو پھر خدا سے بھی اس کا صادر ہونا قبیح ہے۔

1۔ سورہ عصر: 1 اور 2.

2۔ سورہ عادیات: 1.

3۔ سورہ نازعات: 2.

4۔ سورہ الضحی 1 اور 2.

ب)روایات میں غیر خدا کی قسم کھانا:

وایت میں بیان ہوا ہے کہ ایک دن ایک شخص پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا: کونسے صدقے کا اجر زیادہ ہے ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اما وابیک ، لتنبا نه ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل البقاء تجھے تیرے باپ کی قسم: تو اس سے باخبر ہونا چاہتا ہے کہ تو صدقہ دے جبکہ صحیح وسالم ہے ۔ فقر سے ڈرتا ہے اور بقاء کی امید رکھتا ہے۔ [1]

مزید ایک روایت میں پڑھتے ہیں :

ایک دن اہل نجد میں سے ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے اسلام کے بارے میں چند سوال کئے ۔ تو آنحضرت ﷺ نے آخر میں فرمایا: (افلح وابیه ان صدق)اس کے بات کی قسم ! اگر سچ کہے تو کامیاب ہوجائیگا۔ [2]

1۔ صحیح مسلم 2: 716.

2۔ صحیح مسلم 2:716؛ سنن الکبری 2: 61.

ایک اعتراض

قسطلانی لکھتے ہیں: ابن عبد البر کہتے ہیں : عبارت افلح وابیه اسکے باپ کی قسم ایک منکر اور مجہول حدیث میں بیان ہوا ہے جو معروف نہیں ہے ۔ چونکہ صحاح میں اس حدیث کو مردود شمار کیا گیا ہے [1]۔

1۔ ارشاد الساری 9: 357.

اعتراض کا جواب

حدیث اما وابیک اس حدیث کی تائید کررہی ہے لہذا یہ مردود نہیں ہے ۔ ابن عبد البر کہتے ہیں : کہا جاتا ہے کہا اصل میں (افلح واللہ وابیک تھا اور پھر وابی ہ میں تبدیل ہوگیا ہے ۔

قسطلانی نے اس کے جواب کو قبول نہیںکیا اور ابوبکر کے قول کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے : بیہقی کا جواب مناسب تر ہے کہ ایسے الفاظ وابیک) عربوں کا تکیہ کلام ہے بجائے اس کے کہ وہ اس سے کسی معنی کا قصد کریں ۔ یا یہ کہ در اصل افلح ورب ابیہ تھا ۔ اور کثرت استعمال کی وجہ سے لفظ رب حذف ہوگیا ہے ۔ [1]

سید امین نے اس کے جواب میں کہا ہے ۔

ممکن نہیں ہے کہ عرب کسی لفظ کو اس کے معنی کا ارادہ کئے بغیر استعمال کریں اور جب بھی ایسے الفاظ کا استعمال کیا جائے تو مراد قسم کھانا ہے اور (رب ابیک) کے تقدیر میں ہونے پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے ۔ [2]

قسمِ ابوطالب اور تائیدِ پیغمبر اکرم ﷺ

نقل کیا گیا ہے : ایک دن حضرت ابوطالب نے اشعار میں پیغمبر اکرم ﷺ کی شان میں فرمایا :

كذبتم وبيت الله يبزى مُحَمَّد

ولما نطاعن دونه ونناضل

1۔ کشف الارتیاب : 272.

2۔ حوالہ سابق 272.

انہوں نے اس شعر میں بیت اللہ کی قسم کھائی ، رسول خدا ﷺ نے اسے سنا اور رد نہ کیا [1]

عمل صحابہ

واضح رہے کہ صحابہ کرام بھی غیر خدا کی قسم کھایا کرتے ، نقل کیا گیا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں جب بھی اپنے چچا حضرت علی سے کسی شے کی درخواست کرتا اور وہ قبول نہ کرتے تو کہتا : (آپکو جعفر کے حق کی قسم)تو وہ قبول کرلیتے ۔ [2]

نہج البلاغہ میں بیان ہوا ہے کہ امام علی نے معاویہ کانام ایک نامہ میں لکھا :

ولعمری یا معاویه ! لئن نظرت بعقلک دون هواک لتجدنی ابرء الناس من دم عثمان اے معاویہ !مجھے اپنی جان کی قسم ! اگر تو خواہشات نفس سے ہٹ کر عقل کی نگاہ سے دیکھے گاتومجھے خون عثمان میں سب سے زیادہ بری پائے گا۔ [3]

روایت میں آیا ہے کہ مسروق نے قبر پیغمبر ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ سے خوارج کے بارے میں سوال کیا : تجھے اس صاحب قبر کی قسم ! تم نے خوارج کے بارے میں کیا سنا !

حدیث عبداللہ بن عمر پر اعتراض

اب ہم اس حدیث کی تحقیق کرتے ہیں جسے عبد اللہ ابن عمر نے غیر خدا کی قسم نہ کھانے لئے بیان کیا ہے ۔

1۔ایمان ابوطالب 339؛ منیۃ الراغب فی ایمان ابی طالب : 122، تالیف آیت اللہ محمد رضا طبسی؛ شرح ابن ابی الحدید14: 79.

2۔شرح ابن ابی الحدید15: 73.

3۔شرح نہج البلاغہ ، محمد عبدہ3: 7.

ترمذی نقل کرتے ہیں: ایک دن عبداللہ بن عمر نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے: کعبہ کی قسم! عبداللہ نے اس سے کہا: غیر خدا کی قسم مت کھاؤ، میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: من حلف بغیر الله فقد کفر

جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے کفر کیا۔ (1)

اس حدیث میں دو طرح کے اشکال پائے جاتے ہیں۔

1۔ سند کے اعتبار سے

2۔ دلالت کے اعتبار سے

سند کے اعتبار سے تو اس کے راویوں میں سے ایک روای سلیمان بن حیان ہے۔ ابن معین اور ابن عدی (اہل سنت کے علمائے رجال) نے اس کے بارے میں کہا ہے: سلیمان سچا آدمی ہے لیکن اس کی نقل کردہ احادیث حجت نہیں ہیں اس لئے کہ اس کا حافظہ اچھا نہیں تھا اور وہ احادیث کو صحیح نقل نہ کیا کرتا۔

اگراس حدیث کی سند کو مان بھی لیا جائے پھر بھی دلالت کے اعتبار سے اسے شدید کراہت پر حمل کیا جائے گا۔ یا یہ کہ شرک وکفر کی علت یہ ہو سکتی ہے۔ کہ قسم کھانے والا شخص غیر خدا کے بارے میں خدا والا عقیدہ رکھتے ہوئے قسم کھائے۔

اس بارے میں قسطلانی کا کہنا ہے: غیر خدا کی قسم کے منع ہونے کے بارے میں شرک وکفر کی تعبیر مبالغہ ہے۔ کیا منع سے مراد منع تحریمی ہے یا کراہتی؟

مشہور مالکی علماء لکھتے ہیں: یہ نہی کراہت کو بیان کررہی ہے۔ جبکہ حنبلی حرمت کے قائل ہیں اکثر شافعی علماء کراہت سمجھتے ہیں اور بعض تفصیل کے قائل ہیں کہ اگر جس اعتقاد کے ساتھ خدا کی قسم کھائی جاتی ہے

1۔ ارشاد الساری 9: 358؛ سنن ترمذی 4:110.

اسی اعتقاد کے ساتھ غیر خدا کی بھی قسم کھائی جائے تو یہ حرام اور کفر ہے۔ لیکن اگر فقط مخلوق کے احترام کی بنا پر ہو تو اس سے کفر لازم نہیں آئے گا۔ [1]

1۔ ارشاد الساری 9: 358.

12۔جشن منانا

جشن منانا

ولادتوں کے موقع پر جشن وسرور کی محافل ومجالس برپا کرنا شرعی اور مباح سیرت بلکہ مسلمانوں کے درمیان رائج امور میں سے ہے جو اب بھی موجود ہے ۔ لیکن وہابی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا میلاد، اس میں قرآن مجید کی تلاوت، آنحضرت ﷺ کی شان میں اشعار پڑھنا اور مسلمانوں کو کھانا کھلانا ان امور میں سے ہے جن سے منع کیا گیا ہے ۔ اس بارے میں ابن تیمیہ کہتا ہے ۔

عیدونکے موقع پر جشن وسرور بدعت ہے اور اس کی کوئی اساس نہیں ہے ۔ سلف میں سے کسی نے بھی ان دنوں میں اجتماعی طور پر عید کے عنوان سے خوشی نہیں منائی اور نہ ہی ان دنوں میں اعمال انجام دیئے ۔ یہ عیسائیں کا عمل ہے جو وہ حضرت عیسی کی ولادتپر خوشی وجشن مناتے ہیں یا یہودیوں سے لیا گیا ہے ۔۔۔ اسی طرح میلاد النبی ﷺ جو عیسائیوں کے عمل سے شباہت رکھتاہے یا پیغمبر اکرم ﷺ کے احترام کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ عمل خیر محض ہوتایا شرعی طورپر رجحان رکھتاہوتا تو سلف اس کے برپا کرنے میں زیادہ سزاوار تھے ۔ [1]

محمد حامد الفقی اس بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے کہتاہے ۔

اولیاء کی وفات کی یادیا ان کی ولادت کے دن جشن منانا، یہ ان کی پرستش شمار ہوتی ہے اور ایک طرح سے ان کی عبادت اور تعظیم کرناہے ۔ [2]

وہابی اس ناجائز تفکر کے لئے چند روایات کا سہارا لیتے ہیں :

پہلی حدیث : ابوہریرہ کہتے ہیں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا :

1۔اقتضاء الصراط المستقیم :294.

2۔الملل والنحل 4:320.

لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولاتجعلوا قبری عیدا وصلو ا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم [1]

اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ ، بلکہ مجھ پر درود بھیجو اسلئے میں جہاں پہ بھی ہوں تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے ۔

حدیث دوم: پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے قبر کو عید قرار دینے سے منع کیا ہے ۔

اس حدیث پر اعتراضات

واضح رہے کہ اس نظریہ پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں:

اول: میلاد پیغمبر گرامی ﷺ کے جشن منانے اور عبادت کرنے میں فرق ہے چونکہ عبادت میں تین عنصر میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے ۔ 1۔ جس کی عبادت کی جارہی (معبود) ہو اس کی الوہیت کا عقیدہ رکھا جائے ۔

2۔ معبود کے رب ہونے کا عقیدہ رکھا جائے ۔

3۔ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ رب کے افعال خود معبود کے سپرد ہیں۔

جبکہ انصاف یہ ہے کہ جشن برپا کرنے والوں میں سے کوئی بھی ان عناوین کا معتقد نہیں ہے بلکہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ سے پیغمبر اکرم ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور اس محبت و مودت کے اظہار کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے ۔ جہاں پر یہ فرمایا :

(قل ان کان آبائکم وابنائکم واخوانکم وأزواجکم وعشیرتکم وأموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها أحبّ الیکم من الله ورسوله وجهاد فی)

1۔ مسند احمد 2: 367.

(سبیله فتربصواحتٰی یأتی الله بأمره والله لا یهدی القوم الفاسقین) [1]

ترجمہ: اے پیغمبر! تم کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا، اولاد، برادران ازواج، عشیرہ و قبیلہ اور وہ اموال جنہیں تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے خسارہ کی وجہ سے فکر مند رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں پسند کرتے ہو تمہاری نگاہ میں اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو وقت کا انتظار کرو یہاں تک کہ امر الٰہی آجائے اور اللہ فاسق قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے.

اسی طرح پیغمبر اکرم ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا: لا یؤمن احدکم حتی اکون انا واهل بیتی احب الیه من نفسه

تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے سے بڑھ کر مجھ سے اور میرے اہل بیت سے محبت نہ کرے ()

دوم: خود ابن تیمیہ کے بقول ہر چیز میں اصل اسکا مباح ہونا ہے۔ وہ کہتا ہے: عادات و رسوم میں اصل ان کا جائز ہونا ہے مگر یہ کہ خداوند متعال کی طرف سے نہی کی گئی ہو۔ [3]

بنا بر ایں وہ احادیث جن سے وہابی استناد کرتے ہیں سند و دلالت کے اعتبار سے مخدوش ہیں اور پھر میلاد کے موقع پر منائے جانے والے جشن کے بارے میں نہی بھی فرمائی گئی ہے۔

سوم: یہ کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ جشن منانے کے جواز پر کوئی روایت وارد نہیں ہوئی ہے پھر بھی اس کے جواز پر ایک مسلم دلیل موجود ہے اور وہ نص قرآنی کی رو سے آنحضرت ﷺ اور ان کے اہل بیت سے محبت و مودت ہے جسے قرآن و سنت نے ان محافل و مراسم کی اصل قرار دیا ہے۔ اور یہ جشن میلاد

1۔ سورہ توبہ: 24.

2۔ الدر المنثور 4:157.

3۔ مجموع الفتاوی 4: 196.

کے اجتماع اسی اظہار محبت کا مصداق ہیں۔

چہارم: یہ کہ ابن تیمیہ ہر چیز کے حلال وحرام ہونے کا معیار سلف کو قرار دیتا ہے۔ کیا در حقیقت قرآن وسنت معیار ہیں یا عمل سلف؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہم دیکھتے ہیں خود سلف بھی مختلف زمانوں میں جشن منایا کرتے۔

علماء کے اقوال کے نمونے

پنجم: علمائے اہل سنت کے اقوال جشن برپا کرنے کے بارے میں مسلمانوں کی سیرت کو بیان کررہے ہیں۔ جس کے دو نمونوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

1۔ قسطلانی (متوفی 923ھ) کہتے ہیں: مسلمان ہمیشہ پیغمبر اکرم ﷺ کی ولادت کے مہینے میں جشن مناتے ہیں اور دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

خدا کی رحمت ہو آنحضرت ﷺ کے میلاد کے موقع پر عید منانے والوں پر جو (اپنے اس عمل سے) بیمار دلوں کے درد میں اضافہ کرتے ہیں [1]

2۔ قاضی مکہ مکرمہ حسین بن محمد معروف بہ دیار بکری (م 966ھ) اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: (مسلمان ہمیشہ ماہ میلاد پیغمبر اکرم ﷺ میں جشن مناتے ہیں، راتوں کو طرح طرح کے صدقے دیتے ہیں، لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں مزید برآں حاجتمندوں کی مدد کرتے ہیں اور ولادتوں کی مناسبت سے قصیدے پڑھتے ہیں اور ہر زمانہ میں آنحضرت ﷺ سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں [2]

ان موارد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مسلمانوں کا اس عمل پر اجماع واتفاق رہا ہے۔

1۔ المواہب اللدنیۃ 1: 27.

2۔ تاریخ الخمیس 1: 323.

ابن عباد کہتے ہیں : میرے لئے واضح ہے کہ مسلمانوں کی عیدوں میں سے ایک پیغمبر اکرم ﷺ کی ولادت کا دن ہے اور کوئی بھی عمل جشن کے عنوان سے مباح ہے ۔ [1]

630ھ میں ابو سعید اربلی نے ایسے جشن و سرور کی محافل کو زندہ کرنے میں سب سے سبقت حاصل کی ۔

بعض کا کہنا ہے : سب سے پہلی بار خلیفہ فاطمی (المعز لدین اللہ) نے شوال 361ھ میں قاہرہ میں جشن برپا کیا ۔ [2]

تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہوجاتاہے کہ خود قرآن کریم نے پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کی تعظیم وتکریم کا دستور صادر فرمایاہے :

(فالذین آمنوابه و عزّروه و نصروه و اتّبعوا النور الذی أُنزل معه أُولٰئک هم المفلحون) [3]

ترجمہ:پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کا احترام کیا اس کی امداد کی اور اس نور کا اتبّاع کیا جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے وہی در حقیقت فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں ۔

بنابر این میلاد اور جشن کی محافل کا برپا کرنا دستور قرآنی ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تعظیم وتکریم کا مصداق ہے ۔

مذکورہ حدیث پر اعتراض

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ وہابی جشن و میلاد کی محافل سے منع کرنے پر دو حدیثوںسے استناد کرتے ہیں پہلی حدیث کو تحقیق کے بعد رد کردیا گیا اور اب دوسری حدیث کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں وہابیوں کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لا تجعلوا قبری عیدا میری قبر کو عید مت بناؤ۔

1۔المواسم والمراسم :22.

2۔ بحوث فی الملل والنحل 4:323.

3۔اعراف : 157.

اس حدیث میں مختلف پہلوؤں سے اشکال پائے جاتے ہیں :

1۔ احمد بن حنبل نے اسی حدیث کو ایک اور عبارت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سہیل بن ابو صالح کہتا ہے : پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللھم لا تجعل قبری وثنا

خدایا ! میری قبر کو بت قرار نہ دینا ۔[1]

قابل ذکر ہے کہ ذہبی نے اس حدیث کی سند پر بھی اعتراض کیا ہے ۔[2]

2۔ یہ حدیث معنی کے اعتبار سے درست نہیں ہے اس لئے کہ عید کا تعلق ایک خاص زمانے سے ہے ۔ جبکہ قبر اسم مکان ہے کہاجاتاہے : روز جمعہ عید ہے ۔ روز فطر عید ہے ۔ اس لحاظ سے یہ جملہ (میری قبر کو عید نہ بنانا) ان کے دعوے کے ساتھ سے مناسبت نہیں رکھتا۔

3۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے ۔ اس لئے کہ جس حدیث میں لفظ (عیدا) ہے اس کے راویوں میں سے ایک عبد اللہ بن نافع ہے ۔ بخاری اسکے بارے میں کہتے ہیں : عبداللہ بن نافع حفظ کردہ احادیث میں سے جنہیں نقل کیا کرتا ان میں سے بعض معروف اور بعض منکر و مجہول ہوتیں ۔[3]

ابن حنبل ، عبداللہ بن نافع کے بارے میں کہتے ہیں :

وہ ایک ضعیف شخص تھا ، اہل نظر اور صاحبِ حدیث نہیں تھا ۔[4]

1۔ مسند احمد 2: 246.

2۔ سیر اعلام النبلاء 4: 484.

3۔ التاریخ الکبیر شمارہ : 687.

4۔ میزان الاعتدال 3: 243، تہذیب الکمال 12: 223.

دوسری روایت جس میں لفظ (وثنا) ہے اس کے راویوں میں سے سہیل بن ابو صالح ہے ۔

اس کے بارے میں ابو حاتم کا کہنا ہے ۔ سہیل کی نقل کردہ احادیث کو لکھا جائے گا لیکن ان سے استناد نہیں کیا جائیگا۔ [1]

دوسری جانب علمائے اہل سنت نے اسی حدیث کو نقل کیا ہے منذری کہتے ہیں : یہ حدیث انسان کو زیارت پیغمبر اکرم ﷺ کے کثرت سے بجالانے کی ترغیب دلاتی ہے ۔ اور کہا ہے : ایسا نہ ہو کہ طول سال میں بعض اوقات پیغمبروں کی زیارت کی جائے جس طرح سال میں ایک یا دو مرتبہ عید آتی ہے اور لوگ جشن منا لیتے ہیں [2]

سبکی اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ فرمارہے ہیںکہ میری زیارت کیلئے خاص وقت اور خاص زمانہ مت انتخاب کرو جیسا کہ بعض مقبروں کی مانند عید خاص ایام میں زیارت کی جاتی ہے ۔ [3]

1۔تہذیب التہذیب 4: 231.

2۔شفاء السقام :177.

3۔حوالہ سابق .

13۔ گریہ و مجالس عز

گریہ ومجالس عزا کا برپا کرنا

تاریخ اور روایات یہ بتلاتی ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ ، صحابہ وتابعین کرام مرنے والوں او رشہداء و۔۔۔ پر گریہ کیا کرتے اور دوسروں کو بھی نہ صرف عزاداری کا موقع دیتے بلکہ انہیں اس عمل پر تشویق بھی کیا کرتے ۔ جیسا کہ حضرت عائشہ نے رسول اکرم ﷺ کی وفات پر اپنے منہ پر پیٹا ۔

البتہ طول تاریخ میں بزرگ محدثین کے فراق کی مصیبت میں بھی مجالس برپا کی جاتی رہی ہیں ۔ جس کے چند نمونے یہاں پر ذکر کیے جائیں گے ۔

اسامہ بن زید کہتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ اپنے نواسے کی موت کی خبر سننے کے بعد بعض صحابہ کرام کے ہمراہ اپنی بیٹی کے گھر پہنچے ۔ میت کو ہاتھوں پر اٹھایا جبکہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور کچھ ورد کررہے تھے ۔ [1]

دوسرا نمونہ احمد ابن حنبل یوں نقل کرتے ہیں:

جنگ احد کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے انصار کی عورتوں سے فرمایا جو اپنے شوہروں پر گریہ کررہی تھیں ۔

ولکن حمزۃ لا بواکی لہ لیکن حمزہ پر گریہ کرنے والا کوئی نہیں ۔

روای کہتا ہے: پیغمبر اکرم ﷺ نے آرام کیا او رجب اٹھے تو دیکھا عورتیں پہلے حضرت حمزہ پر گریہ کررہی ہیں۔

اس بارے میں ابن عبدالبر کہتے ہیں: یہ رسم اب تک موجود ہے ۔ اور لوگ کسی مرنے والے پر گریہ نہیں کرتے مگر یہ کہ پہلے حضرت حمزہ پر آنسو بہاتے ہیں [2]

1۔ سنن نسائی 4: 22.

2۔ الاستیعاب 1: 374.

حاکم نیشاپوری اس بارے میں یوں نقل کرتے ہیں ؛

ایک دن رسول خدا ﷺ تشیع جنازہ کیلئے باہر تشریف لائے جبکہ عمر بن خطاب بھی ہمراہ تھے ۔ عورتوں نے گریہ کرنا شروع کیا تو عمر نے انہیں روکا اور سرزنش کی ۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

يا عمر دعهن فان العين دامعة والنفس مصابة والعهد قريب

اے عمر! انہیں چھوڑ دے ۔ بے شک آنکھیں گریہ کناں ہیں، دل مصیبت زدہ اور زمانہ بھی زیادہ نہیں گزرا [1]

ان روایات کی بناپر واضح ہے کہ یہ عمل سنت پیغمبر اکرم ﷺ میں حرام نہیں تھا ۔ اور یہ عمر تھے جس نے اس سنت کی پرواہ نہ کی اور عورتوں کو اپنے عزیزوں پر گریہ کرنے پر سرزنش کی ۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی عملی سیرت

تاریخ اور سیرت ہمیں یہ بتارہی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم ، اپنے دادا حضرت عبد المطلب ، اپنے چچا حضرت ابوطالب اور حضرت حمزہ ، اپنی مادر گرامی حضرت آمنہ بنت وہب ، حضرت علی کی مادر گرامی حضرت فاطمہ بنت اسد ، عثمان بن مظعون و۔۔۔۔۔کی موت پر گریہ کیا۔

حضرت ابراہیم پر گریہ کے وقت پوچھا گیا ۔ کس لئے ابراہیم پر رورہے ہیں ؟ فرمایا:

تدمع العينان ويحزن القلب ولا نقول مايسخط الرب [2]

1۔المستدرک علی الصحیحین 1: 381، مسند احمد 2: 444.

2۔عقد الفرید 3: 19، سنن ابن ماجہ 1:506.

آنکھیں گریہ کناں ہیں، دل غمگین ہے اور میں ایسی بات نہیں کرتا جو ناراضگی پروردگار کا باعث بنے۔

نقل کیا گیا ہے کہ جب عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا تو پیغمبر اکرم ﷺ نے اس کے میت کا بوسہ لیا اور گریہ کیا۔[1]

صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت

صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت بھی یہی رہی ہے کہ اپنے عزیزوں کی موت پر گریہ کیا کرتے۔ ایک روایت میں نقل ہوا ہے۔ کہ جب امیر المومنین کو مالک اشتر کی شہادت کی خبر ملی تو گفتگو کے درمیان فرمایا:

علی مثلہ فلتبک البواکی [2]

گریہ کرنے والوں کیلئے شائستہ یہ ہے کہ اس جیسے پر آنسو بہائیں۔

عباد کہتے ہیں: حضرت عائشہ فرمایا کرتیں: پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے وقت میں نے ان کا سر تکیے پر رکھا اور دوسری عورتوں کے ہمراہ سینے اور منہ پر پیٹا۔[3]

عثمان کہتے ہیں: جب میں نے عمر کو نعمان بن مقرن کی وفات کی خبر دی تو اس نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا اور گریہ کیا۔[4]

جب محمد بن یحی ذہلی نیشاپوری نے احمد ابن حنبل کی وفات کی خبر سنی تو کہا: مناسب ہے کہ تمام اہل بغداد اپنے اپنے گھروں میں نوحہ خوانی کی مجالس برپا کریں۔

1۔المستدرک علی الصحیحین 1: 514.

2۔سیر اعلام النبلاء 4: 34؛ الکامل فی التاریخ 3: 227.

3۔سیرۃ النبوۃ 6: 75؛ مسند احمد 6: 274.

4۔المستدرک علی الصحیحین 3: 332؛ المصنف لابن ابی شیبہ 3: 45؛ مسند احمد 6:274؛ السیرۃ النبویۃ 6:75.

گلی کوچوں پر عزاداری

گلی کوچوں او رسڑکوں پر عزاداری کرنا ان اموریں سے ہے کہ جو مسلمانوں کے درمیان رائج تھے ۔

نسفی کہتے ہیں: یں اہل سنت کے حافظ بزرگ ابو یعلی عبدالمومن بن خلف (ت 346ھ) کے جنازے یں شریک تھا کہ اچانک چار سو طبلونکی آواز گونجنے لگی ۔ [(1)]

ذہبی کہتے ہیں: جوینی نے 25 ربیع الثانی 478ھ یں وفات پائی ۔ لوگ اسکے منبر کوتوڑ کر تبرک کے طور پر لے گئے، اس کے سوگ یں دکانوں کو بند کردیا اور مرثیے پڑھے ۔ اس کے چار سو شاگرد تھے جنہوں نے اس کے فراق یں قلم ودوات توڑ ڈالے اور اس کے لئے عزا برپا کی ۔ انہوں نے ایک سال کے لئے عمامے اتار دیئے اور کسی کی جرئت نہ تھی کہ سر کوڈھانپے ۔ طلاب شہر یں پھرتے ہوئے نوحہ وفریاد اور گریہ وزاری یں مشغول رہتے ۔ [(2)]

اس کے بعد افکار ابن تیمیہ کا پروردہ ذہبی نرم زبانی یں کہتا ہے: ایسے اعمال عجمیوں کی رسومات یں سے ہیں او رسنت نبوی کی پیروی کرنے والے علماء ایسے اعمال انجام نہیں دیتے ۔

لیکن وہی دوسرے مقام پر351ھ یں معز الدولہ کے دوران حکومت یں بغداد یں امام حسین کی عزاداری کے سلسلہ یں بازروں کے بند ہونے اور لوگوں کے سروسینہ پر ماتم کرنے و۔۔۔۔۔ کے بارے یں اپنے کینہ کی بنا پر بے شرمی سے کہتا ہے ۔

خدایا! ہماری عقلوں کو مضبوط بنا ۔ [(3)]

1۔ سیر اعلام النبلاء 15: 480؛ تاریخ ابن عساکر 10: 272.

2۔ سیر اعلام النبلاء 18:468؛ تاریخ بغداد 93؛ وفیات الاعیان 3: 149.

3۔ العبر 3: 89؛ تاریخ الاسلام: 11؛ حوادث سال 351ھ.

یہ امر روشن ہے کہ ذہبی کا یہ جملہ تعصب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علمائے اہل سنت نے اسے جواب دیا۔ علمائے اہل سنت میں سے سبکی، ذہبی کے جواب میں کہتے ہیں: نہ تو امام نے خود ایسے اعمال انجام دیئے اور نہ ہی وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد ایسا کیا جائے لیکن وہ اس قدر بزرگ شخصیت تھے کہ ان کے شاگردوں سے اس کی مصیبت برداشت نہ ہوسکی۔ [1]

تعجب ہے سبکی پر! کیسے امام جوینی کی بات آئی تو ذہبی کو محکوم کیا لیکن جوانان جنت کے سردار امام حسین بن علی کی عزاداری کے بارے میں جب اس نے جانبداری اختیار کی تو نہ سبکی اور نہ ہی ان کے دوسرے علماء میں سے کسی نے کسی طرح کا رد عمل ظاہر کیا۔

خالد ربعی عمر بن عبد العزیز کی عزاداری کے بارے میں کہتا ہے:

تورات میں بیان ہوا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز کی موت پر چالیس دن تک زمین و آسمان گریہ کریں گے۔ 2

عزاداری امام حسین

ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ) میں لکھتے ہیں؛

ملک ناصر (حاکم حلب) کے زمانے میں یہ درخواست کی گئی کہ روز عاشوراء کربلا کے مصائب بیان کئے جائیں۔ سبط بن جوزی منبر پر گئے، کافی دیر سکوت کے بعد عمامہ سر سے اتارا اور شدید گریہ کیا۔ اور پھر یہ اشعار پڑھے:

ويل لمن شفعاء خصمائه

والصور فى نشر الخلائق ينفخ

لا بد ان ترد القيامة فاطم

وقميصها بدم الحسين ملطخ

1۔ طبقات الشافعیۃ 5: 184.

2۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی 1: 245.

افسوس ہے ان پر جن کی شفاعت کرنے والے جب میدان محشر میں صور پھونکا جائیگا تو ان کے دشمن ہونگے ۔ اور فاطمہ روز قیامت ضرور اپنے فرزند حسین کے خون میں لتھڑی ہوئی قمیص لے کر میدان محشر میں وارد ہونگی۔
یہ کہہ کر منبر سے اترے اور اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے گئے ۔ [1]
واضح روایات اور تاریخی شواہد کی روشنی میں مجالس ، ماتم وسوگواری ، نوحہ خوانی ، گریہ وعزاداری ، عزیزوں کے فراق میں بے تابی ، منہ اور سینے پر پیٹنا ، دکانوں کا بند رکھنا اور رغم واندوہ کی دیگر علامات طول تاریخ مسلمین میں رائج رہی ہیں۔

مردوں پر رونا

جو لوگ مردوں پر رونے کو حرام سمجھتے ہیں وہ اس حکم پر چند دلیلیں پیش کرتے ہیں
اول: وہ احادیث جو عمر، عبداللہ بن عمر اور دیگر سے نقل ہوئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے ۔ (عزیزوں کے گریہ کی وجہ سے مردے پر عذاب نازل ہوتا ہے)[2]
لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے نقل کرتے وقت اشتباہ کیا ہے یا بطور کلی روایت کے متن کو بھول بیٹھا ہے ۔
ابن عباس کہتے ہیں : عمر کی وفات کے بعد جب یہ حدیث عائشہ کے سامنے پیش کی گئی تو فرمایا: خدا کی رحمت ہو عمر پر ، خدا کی قسم ! رسولخدا ﷺ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بلکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
ان اللہ لیزیدالکافر عذابا ببکاء اھلہ

1۔البدایۃ والنھایۃ13: 207.

2۔جامع الاصول 11: 99؛ ح 857؛ السیرۃ النبویۃ3:310؛ سنن ابن ماجہ 1:506 ، ح 1589.

بیشک خداوند متعال کافر کے گھر والوں کے گریے کی وجہ سے اس پر عذاب بڑھادیتا ہے ۔

اس کے بعد حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ولاتزر وازرة وزر اخری [1]

ترجمہ: (اور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہونکا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔)

عبداللہ ابن عمر بھی وہاں پر موجود تھے انہوں نے حضرت عائشہ کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ [2]

ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ جب عبد اللہ بن عمر کی یہ روایت حضرت عائشہ کے سامنے نقل ہوئی تو فرمایا: خداوند متعال عبد اللہ بن عمر کو بخش دے ۔ اس نے جھوٹ نہیں کہا ۔بلکہ یا تو بھول بیٹھا ہے یا نقل کرنے میں اشتباہ کیا ہے ۔

جب رسول خدا ﷺ ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا اس کے رشتہ دار اس پر رورہے ہیں تو فرمایا:

انهم ليبكون عليها وانها لتعذب فی قبرها

وہ اس پر رورہے ہیں جبکہ قبر میں اس پر عذاب ہورہاہے ۔

روایات کی توجیہ

علمائے اہل سنت نے اس بارے میں ان روایات کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ وہ گریہ کے ہمراہ ایسی صفات و خصوصیات کا ذکر کرتے کہ جو شریعت میں حرام ہیں ۔ مثال کے طورپر کہا کرتے: اے گھروں کو ویران کرنے والے! اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے !و۔۔۔۔

ابن جریر، قاضی عیاض اور دیگر نے ان روایات کی توجیہ میں کہا ہے کہ: رشتہ داروں کا گریہ سننے سے میت

1۔سورۃ فاطر: 18.

2۔المجموع 5: 308؛ صحیح بخاری 1: 432.

کا دل جلتا ہے اور وہ غمگین ہوجاتا ہے۔

مزید ایک توجیہ حضرت عائشہ سے نقل ہوئی ہے جو انہوں نے اس حدیث کے معنی میں بیان فرمائی ہے کہ جب رشتہ دار گریہ کرتے ہیں تو کافر یا غیر کافر پر اس کے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے نہ کہ عزیزوں کے گریہ کی وجہ سے ۔ (1)

علامہ مجلسی اس بارے میں (بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حرف (باء) مع کے معنی میں ہے یعنی جب میت کے رشتہ دار اس پر گریہ کرتے ہیں تو وہ اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے (2)

دوم: میت پر گریہ کرنے کی حرمت پر دوسری دلیل وہ روایت ہے کہ جو متقی ہندی نے حضرت عائشہ سے نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا:

جب پیغمبر اکرم ﷺ کو جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ او رعبد اللہ رواحہ کی شہادت کی خبر ملی تو چہرہ مبارک پر غم واندوہ کے آثار طاری ہوئے۔ میں دروازے کے سوراخ سے دیکھ رہی تھی اچانک ایک شخص آیا او رعرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! عورتیں جعفر پر گریہ کر رہی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فارجع الیھن فاسکتھن ، فان ابین فاحث فی وجوھن (افواھھن) التراب

ان کے پاس جاؤ او رانہیں خاموش کراؤ۔ پس اگر وہ انکار کریں تو ان کے منہ پر خاک پھینکو۔(3)

1۔ المجموع 5: 308.

2۔ بحار الانوار 79: 109.

3۔ کنز العمال 15: 732؛ المصنف لابن ابی شیبہ 3: 265.

یہ روایت چند اعتبار سے قابل اعتراض ہے۔

(رسول خدا ﷺ مرنے والوں او شہداء پر گریہ کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے کہ حمزہ اور جعفر و۔۔۔پر گریہ کریں اور پھر جب حضرت عمر نے عورتوں کو گریے سے منع کیا۔ تو فرمایا: انہیں چھوڑ دو، آنکھیں گریہ کناں ہیں اور....۔ [1]

2۔ اس حدیث کے روایوں میں سے ایک محمد ابن اسحاق بن یسار بن خیار ہے۔ جس کے بارے میں علمائے رجال میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ ابن نمیر کہتے ہیں: وہ مجہول ہے اور باطل احادیث کو نقل کرتا ہے۔

احمد بن حنبل کہتے ہیں: ابن اسحاق احادیث میں تدلیس کیا کرتا اور ضعیف احادیث کو قوی ظاہر کرتا.[2]

سوم: گریے کے حرام ہونے پر تیسری دلیل حضرت عمر کا عمل ہے۔ نصر بن ابی عاصم کہتے ہیں: ایک رات عمر نے مدینے میں عورتوں کے گریے کی صدا سنی تو ان پر حملہ کردیا اور ان میں سے ایک عورت کو تازیانے مارے، یہاں تک کہ اس کے سر کے بال کھل گئے۔ لوگوں نے کہا: اس کے بال ظاہر ہوگئے ہیں۔ کہا: اس کا کوئی احترام نہیں [3]اس روایت میں چند لحاظ سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

1۔ حضرت عمر نے ایسے گھر پر حملہ کیا جس میں نامحرم عورتیں موجود تھیں اور پھر اسی تلخ واقعہ کا تکرار خانہ وحی پر حملہ کرکے کیا ۔[4]

1۔ سنن نسائی 4: 91؛ مسند احمد 3: 333؛ المستدرک علی الصحیحین 1: 381.

2۔ تہذیب الکمال 16: 70.

3۔ کنزالعمال 5: 731؛ المصنف عبدالرزاق 3: 557 ح 6682.

4۔ خانہ وحی وہ گھر ہے جس میں حضرت فاطمہ موجود تھیں اس پر حملہ کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اور پھر اپنے اس عمل کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ان عورتوں کا کوئی احترام نہیں ہے) کیا اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ عورتیں مسلمان نہیں تھیں یا پھر ماننا پڑے گا کہ عمر نے ان کی حرمت کا کوئی خیال نہ رکھا؟

2۔ کیا حضرت عمر کا عمل حجت ہے ؟ کیا وہ معصوم ہیں ؟ جبکہ کسی نے بھی یہ دعوی نہیں کیاکہ وہ معصوم ہیں ۔ امام غزالی نے ابوبکر وعمر کے قول کی حجیت کو بے اساس قرار دیاہے اور کہا ہے : بے بنیاد اصولوں میں سے دوسری اصل قول صحابی کا حجت ہوناہے ۔ بعض کہتے ہیں : صحابی کی رائے بطور کلی حجت ہے اور بعض کہتے ہیں : صحابی کی رائے اگر قیاس کے مخالف ہوتو حجت ہے و۔۔۔۔۔

اس کے بعد غزالی کہتے ہیں : یہ سب اقوال باطل ہیں ۔ چونکہ جو شخص عصمت نہیں رکھتااو راس کے عمداً یا سہواً اشتباہ کرنے کا احتمال موجود ہے تواس کا قول کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتا۔ [1]

3۔ وہ موارد جن میں خلیفہ کی رائے سنت وفعل رسول خدا ﷺ کے سراسر مخالف ہے ان میں سے یہ

عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں : میں ابوبکر کی عیادت کیلئے گیا ۔ تو کہنے لگے ۔ اے کاش! میں نے تین کام انجام نہ دیئے ہوتے ۔وہ تین کام کونسے ہیں؟

1۔ فاطمہ کے گھر کی حرمت پامال نہ کی ہوتی او رانہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا ہوتا اس روایت کو بہت سے اہل سنت علماء نے نقل کیاہے جن میں سے ابن ابی شیبہ نے المصنف 2: 572 ؛ بلاذری نے انساب الاشراف 1: 586؛ طبری نے اپنی تاریخ 2: 443 ؛ ابن عبدالبر نے استیعاب 3: 975 و۔۔۔۔۔ میں نقل کیا ہے ۔

1۔ المستصفی 1؛ 260 ؛ دراسات فقہیۃ فی مسائل خلافیۃ: 138.

روایت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمر سے فرمایا: اے عمر! ان عورتوں کو چھوڑ دو۔ [1]

اور اسی طرح حضرت عائشہ کا یہ قول کہ فرمایا:

خدا رحمت کرے عمر پر یا تو فراموش کر بیٹھا ہے یا اس سے نقل کرنے میں اشتباہ ہوا ہے۔ [2]

جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ان ادلہ کا خلاصہ ہے جو وہابیوں کے ادعاء کو رد کرنے کیلئے بیان کی گئی ہیں اور ہم اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں اس لئے کہ جو شخص سننے والے کان رکھتا ہے اس کے لئے یہی کافی ہے۔

الحمد لله رب العالمین

1۔ مسند احمد 3: 323.

2۔ المجموع، نووی 5: 208.

فہرست

مشخصات کتاب 4

انتساب 5

موضوعات 6

مقدمہ مترجم 7

مقدّمہ مؤلف 8

1۔توسّل 21

توسّل اور اسکی اعتقادی جڑیں 21

1۔ قرآن کریم 2۔ احادیث 21

1۔توسّل حضرت آدم علیہ السلام: 23

2۔ پیغمبر ﷺ کی تاکید اورپیشگوئی: 23

3۔ فرمان پیغمبر اکرمصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: 24

4۔تاکید حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا 25

5۔صحابہ کرام کا قبر پیغمبر ﷺ سے توسل کرنا: 25

6۔توسّل ابوالحسین فقیہ شافعی: 26

7۔توسّل ابو الحسین بن ابی بکر فقیہ: 26

8۔ حاکم نیشاپوری کا قبر امام رضا علیہ السلام سے توسّل کرنا: 26

9۔ زید فارسی کا قبر امام رضاعلیہ السلام سے متوسّل ہونا: 27

10۔ابو نصر مؤذن نیشاپوری کا توسّل: 28

11۔ امیر خراسان کا قبر امام رضاعلیہ السلام سے توسّل: 29

12۔ ابو علی خلال کا قبر امام موسیٰ کاظم سے توسّل: 29
13۔ اہل مدینہ کا قبر پیغمبر ﷺ سے توسّل کرنا : 30
2۔ شفاعت 32
شفاعت کیا ہے ؟ 32
مسلمان اور عقیدہ شفاعت 33
1۔ قاضی عیاض کہتے ہیں : 33
2۔ ناصر الدین مالکی اس بارے میں لکھتے ہیں : 34
اقسام شفاعت 35
1۔ قیامت میں شفاعت : 35
2۔ دنیا میں شفاعت کا طلب کرنا : 35
آیات کی روشنی میں 36
احادیث کی روشنی میں 36
علمائے اسلام کے اقوال کی روشنی میں 37
1۔ شیخ مفید فرماتے ہیں : 37
2۔ علامہ مجلسی فرماتے ہیں : 37
3۔ فخر رازی لکھتے ہیں : 38
4۔ ابو بکر کلا باذی (م 380ھ) لکھتے ہیں : 38
دنیا میں شفاعت 39
ولادت پیغمبر ﷺ سے پہلے ان سے شفاعت طلب کرنا 39
پیغمبر ﷺ کی زندگی میں ان سے شفاعت کا طلب کرنا 41

1۔ انس کی روایت: 41

2۔ سواد بن قارب کی روایت: 42

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان سے شفاعت کی درخواست 43

1۔ حضرت علی علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ سے شفاعت طلب کرنا: 43

3۔ اعرابی کا صحابہ کی موجودگی میں شفاعت طلب کرنا: 44

حیات انبیاء 45

استغفار آیات کی روشنی میں 48

شفاعت کے بارے میں وہابی نظریہ 49

اس نظریہ کا جواب 50

حرمت شفاعت پر دوسری دلیل 53

خاک مدینہ سے علاج 55

تبرّک اور اہل سنّت فقہاء کا نظریہ 56

پیغمبر ﷺ کے مس شدہ سکوں سے تبرّک 59

وہ قبور اور جنازے جن سے تبرّک حاصل کیا گیا 61

با عظمت چیزوں سے تبرّک حاصل کرنا 63

4۔ استغاثہ 65

حاجت کی درخواست 65

وہابی نظریہ کی تحقیق اور اس پر اعتراض 66

فقہاء کی نظر میں استغاثہ اور مدد طلب کرنا 70

1۔ علاّمہ قسطلانی (م 923ھ) کہتے ہیں: 71

2۔ علاّمہ مراغی (م816ھ) کہتے ہیں: 71
3۔ قیروانی مالکی (م 737ھ) زیارت قبور کے بارے میں ایک الگ فصل میں لکھتے ہیں: 71
استغاثے کے نمونے 73
1۔نابینا شخص کا پیغمبر سے استغاثہ: 73
2۔ حضرت عائشہ اور عمر کا پیغمبر ﷺ کی قبر سے استغاثے کا حکم دینا: 75
اہل بیت کی قبور سے استغاثہ 79
1۔ قاہرہ میں مقام امام حسین سے استغاثہ: 79
2۔ نابینا شخص کا بارگاہ امام حسین علیہ السلام سے توسّل: 80
3۔ ابن حبّان کا قبر امام رضا علیہ السلام سے استغاثہ: 82
4۔ ابن خزیمہ کا قبر امام رضا علیہ السلام پر التماس کرنا: 83
بعض صحابہ کرام اور علمائے اہل سنّت کی قبور سے استغاثہ 85
1۔قبر ابوایوب انصاری (م52ھ روم): 86
2۔ قبر ابوحنیفہ: 86
3۔ قبر احمد بن حنبل: 87
4 ۔ قبر ابن فورک اصفہانی (م406ھ): 87
5۔ قبر شیخ احمد بن علوان (ت 750ھ): 88
خاتمہ 88
ان سے استغاثہ کریں۔ 89
5۔زیارت قبور 90
وہابیوں کے نزدیک زیارت رسول ﷺ 90

اس نظریے کا جواب 91
1۔ قرآن کی نظر میں.. 91
2۔ احادیث کی نظر میں 91
پہلی حدیث :.. 92
دوسری حدیث : 92
تیسری حدیث :.. 93
چوتھی حدیث :.. 93
3۔ صحابہ کرام کی سیرت 94
4 ۔ عقل کی رو سے.. 96
وہابیوں کی دلیل کے بارے میں تحقیق.. 96
ابن تیمیہ کے توہمات اور علمائے اہل سنت کا موقف.. 99
مقامات مقدسہ اور قبور کی زیارت 101
6۔ عورت اور زیارت قبور..102
عورتوں کا قبور کی زیارت کرنا 102
وہابی نظریہ کا ردّ..102
7۔ قبروں پر دعا کرن..105
قبر پیغمبر ﷺ اور دیگر قبور کے پاس دعا کرنا اور نماز پڑھنا 105
وہابیوں کا نظریہ 105
اس توہّم کا جواب 106
1۔ عمر بن خطاب کا طریقہ کار: 108

2۔ امام شافعی کا قول : 108
3۔قبر معروف کرخی :...108
4۔ قبر شافعی :..109
5۔ قبر بکراوی حنفی (ت 403): 109
7۔ قبر ابو بکر اصفهانی (ت406):..110
8۔ قبر نفیسہ خاتون : 110
ابن تیمیہ کا دوسرا فتوی...111
اس ادّعا کا جواب...111
1۔ فتوائے امام مالک:...112
2 ۔ فتوائے خفاجی : 112
3۔ فتوائے محقق حنفی :...113
4۔ فتوائے ابراہیم حربی: 113
5۔ ابو موسیٰ اصفہانی کا نظریہ :..113
6۔ سمہودی کا نظریہ:...114
7۔ سختیانی کی رائے : 114
8۔ فتوائے ابن جماعہ :...114
9 ۔ ابن منکدر کا نظریہ:...115
ابن تیمیہ کا ایک اور قول اور اس کا جواب 115
اسکی دلیل کی تحقیق اور اس پر تنقید 116
1۔امام مالک کا نظریہ : 118

2۔ عبد الغنی نابلسی کا نظریہ : 118
3۔ ابو مالکی کا نظریہ : 119
4۔بغوی کا نظریہ : 119
8۔ تعمیر قبور..121
وہابیوں کا نظریہ اور ان کے فتاوی کے نمونے 121
1۔ صنعانی کہتا ہے : 121
2۔ ابن تیمیہ کا شاگرد ابن قیم کہتا ہے : 121
3۔ علمائے مدینہ سے منسوب جواب میں یوں بیان ہوا ہے: 121
اس فتوی کا رد 122
اس حدیث پر اعتراض 123
سیرت صحابہ کرام و مسلمین 127
صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں مقبروں کی تعمیر نو..128
صحابہ کرام اور دیگر افراد کی قبور 129
ابو زبیر کی حدیث سے استناد...130
اس حدیث پر اعتراضات 131
مقبروں کے آثار..133
9۔ قبور پر چراغ روشن کرنا 135
قبور پر چراغ روشن کرنا 135
اس نظریہ کا رد..135
1۔ یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے ۔ 135

4۔ سیرت مسلمین :...137
10۔ نذر...138
غیر خدا کیلئے نذر..138
اس نظریے کا ردّ..139
نذر سے متعلق سیرت مسلمین..142
علماء کے فتاوی...143
11۔ غیر خدا کی قسم..145
غیر خدا کی قسم کھانا...145
اس نظریے کا جواب 146
اول: یہ کہ غیر خدا کی قسم کھا نا 146
ب)روایات میں غیر خدا کی قسم کھانا: 147
ایک اعتراض...148
اعتراض کا جواب 149
قسمِ ابوطالب اور تائیدِ پیغمبر اکرم ﷺ 149
عمل صحابہ..150
حدیث عبداللہ بن عمر پر اعتراض...150
12۔جشن منانا...153
جشن منانا 153
اس حدیث پر اعتراضات 154
علماء کے اقوال کے نمونے...156

مذکورہ حدیث پر اعتراض 157
13۔ گریہ و مجالس عز... 160
گریہ و مجالس عزا کا برپا کرنا 160
پیغمبر اکرم ﷺ کی عملی سیرت 161
صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت 162
گلی کوچوں پر عزاداری.. 163
عزاداری امام حسین.. 164
مردوں پر رونا 165
روایات کی توجیہ 166